جلد ۸ جنوری ۱۹۶۷ء شمارہ ۱

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

آل عمران

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

جنوری سنہ ۱۹۶۷ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

فی پرچہ ۶۰ پیسے

سالانہ چندہ چھ روپے

فہرست مضامین

پبلشر:- چوہدری محمد ابراہیم ٭ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقام اشاعت : دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمارہ ۱	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	جلد ۸

جنوری ۱۹۶۷ء

مؤمنوں کے جذبۂ اطاعت کا امتحان

جلسۂ سالانہ میں شمولیت کی بے اندازہ اہمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مومنوں کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا بار بار حکم دیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد اطاعت نہیں کرتے وہ عند اللہ مومنوں کے زمرہ میں شامل نہیں ہوتے۔ پھر اس امر کے فیصلہ کے لئے کہ آیا ایمان لانے والے فی الحقیقت اللہ اور رسول کے اطاعت گزار ہیں یا نہیں اُس نے قرآن مجید میں ایک معیار کا ذکر کیا ہے۔ اور وہ معیار یہ ہے کہ جب خدا کا رسول انہیں بلائے تو وہ اپنی تمام مصروفیتیں ترک کر کے اور ہر قسم کے ظاہری نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر لبیک کہتے ہوئے دلیوانہ وار اس کی خدمت میں آحاضر ہوں اور اس طرح آحاضر ہوں کہ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو بھی خاطر میں نہ لائیں رسول کی آواز پر ان کا اِس طرح لبیک کہتے ہوتے آحاضر ہونا اس امر کی علامت ہوگا کہ واقعی وہ خدا اور رسول کے اطاعت گزار ہیں۔ ایسے اطاعت گزار مومنوں کو جو رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے فی الفور اس کی خدمت میں آحاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان انعام کی بشارت دی ہے۔ اور وہ انعام یہ ہے کہ

جب تک وہ اطاعت کے اس معیار پر پورے اترتے چلے جائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں خلافت جیسی عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرماتا چلا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان میں ایسے وجود کھڑا کرتا رہے گا جو رسول کے صحیح معنوں میں جانشین ہوں گے۔ اِس حیثیت سے ان کی اطاعت خود رسول ہی کی اطاعت شمار ہو گی تاکہ اطاعت کا یہ معیار رسول کے بعد بھی قائم و دائم رہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے اندر دین کو تمکنت ملتی چلی جائے۔ سو گویا خدا اور رسول کی پوری پوری اطاعت بجالانے میں اِس معیار پر پورا اترنا اُن اعمالِ صالحہ میں سے ایک بنیادی عملِ صالح ہے جن کے نتیجہ میں مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافت جیسی عظیم الشان نعمت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

خدا اور رسول کی اطاعت کے اس معیار اور اس کے نتیجہ میں ملنے والے عظیم الشان انعام کا اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ پہلے ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اطاعت سے جی چراتے ہیں فرماتا ہے :۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کا وعدہ کر لیا۔ پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد (اپنے اقرار سے) پھر جاتا ہے اور ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں۔ (ان کے اطاعت گزار نہ ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ) جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف اس لئے بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ اعراض کرنے لگتا ہے۔ اور اگر کوئی بات ان کے حق میں ہو تو فوراً اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے آجاتے ہیں کیا ان کے دلوں میں کوئی بیماری ہے؟ یا وہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں یا وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ خود ظالم ہیں۔

(النور آیات ۴۸ تا ۵۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اطاعت کا دعویٰ کرنے والے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جو فی الحقیقت

اطاعت گزار نہیں ہوتے، زبانی دعوئ ایمان و اطاعت کے باوجود ان کے اطاعت گزار نہ ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ نے یہ دی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کا رسول بلاتا ہے تو وہ اس صورت میں کہ انہیں دنیوی لحاظ سے کوئی ذاتی فائدہ پہنچنے کی امید ہو خوشی خوشی بھاگے چلے آتے ہیں لیکن اگر ایسا کوئی فائدہ پہنچنے کا بظاہر کوئی امکان نظر نہ آتا ہو تو ان کے کان پر جُوں بھی نہیں رینگتی اور وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ سنی اَن سنی کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے نام کے مومن سمجھتے یہ ہیں کہ انہیں حاضر ہونے کی خواہ مخواہ تکلیف دی جاتی ہے اور گویا اس طرح ان پر ظلم کیا جاتا ہے حالانکہ نہ حاضر ہوکر وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔

ایسے نام کے مومنوں کے بالمقابل اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں حقیقی مومنوں کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ	(حقیقی) مومنوں کا جواب جب وہ اللہ اور رسول
اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	کی طرف بلائے جائیں کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں
لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا	یہ ہوا کرتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا (یعنی
سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِکَ	وہ فوراً آحاضر ہوتے ہیں) اور وہی ہیں جو فلاح پاتے
ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o وَمَنْ یُّطِعِ	ہیں۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ	اور اللہ سے ڈریں اور اس کا تقویٰ اختیار کریں وہی
وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ	بامراد ہوتے ہیں۔

(النور آیات ۵۲، ۵۳)

ظاہر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نام کے مومنوں کے بالمقابل حقیقی مومنوں کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے اللہ اور رسول کے اطاعت گزار ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ جب خدا کا رسول انہیں بلاتا ہے تو وہ نفع و نقصان کے چکر میں نہیں پڑتے بلکہ وہ فطری جذبہ کے ماتحت لبیک کہتے ہوئے دیوانہ وار اس کی خدمت میں آحاضر ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے ہی اطاعت گزار مومنوں کو کامیاب و بامراد کرتا ہے۔ ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں مومنوں کو اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں اس امر کو اطاعت کا معیار ٹھہرایا ہے کہ جب بھی خدا کا مامور اپنے متبعین کو بلائے تو وہ نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اور تمام دنیوی مصروفیتوں کو ترک کر کے فطری جذبہ کے ماتحت فی الفور اس کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔

اطاعت کے اس معیار اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مومنوں کو اطاعت کے اس معیار پر پورا اترنے کی نہایت حکیمانہ انداز میں تلقین فرمائی

ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے :-

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ، وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا، وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ٥	تو کہہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر وہ پھر جائیں تو اس (رسول) پر صرف اُس کی ذمہ داری ہے جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اور تم پر اُس کی ذمہ داری ہے جو تمہارے ذمہ لگایا گیا ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کرو تو تم ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو بات کو کھول کر پہنچا دینا ہے

(النور آیت ۵۵)

مامور من اللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آحاضر ہونے کو اطاعت کا معیار قرار دینے اور اس کی اہمیت اچھی طرح واضح کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں واضح فرمایا ہے کہ اطاعت کے اس معیار کو معمولی بات نہ سمجھو۔ یہ معیار اُن اعمال صالحہ میں سے ایک اہم اور بنیادی عمل صالح ہے جس پر پورا اترنے والے حقیقی مومنوں کو ایک عظیم الشان انعام سے نوازا جائے گا اور وہ انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مبعوث کردہ مامور کے بعد اس کے جانشینوں کی شکل میں اسکی برکات کو جاری وساری رکھے گا یعنی انہیں خلافت کی نعمت سے سرفراز فرماکر فوز وفلاح سے ہمکنار کرے گا اور اس طرح انہیں آئندہ بھی ہدایت پر مضبوطی سے قائم رکھے گا۔ مامور من اللہ کے بعد منصب خلافت پر فائز ہونیوالے خلفاء کی اطاعت رسول کی اطاعت اور رسول کے واسطہ سے اللہ کی اطاعت شمار ہو گی اور اس طرح مومنوں کے آئندہ بھی راہِ ہدایت پر گامزن رہنے سے دین کو تمکنت نصیب ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا، يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ	اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اسے مضبوطی سے قائم کرے گا اور ان کے خوف کی حالت کے بعد اس حالت کو امن کی حالت میں تبدیل کردے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے،

(النور آیت ۵۶)

اس آیت کا سیاق و سباق اس امر کا آئینہ دار ہے کہ اطاعت کا یہ قرآنی معیار جس کی رو سے مامور من اللہ کی آواز پر مومنوں کے لئے اس کی خدمت میں بلا توقف آحاضر ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اُن مخصوص اعمال صالحہ میں سے ایک اہم اور بنیادی عملِ صالح ہے جو خلافت ایسے عظیم الشان انعام کے پیش خیمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب مومنوں کی جماعت مامور من اللہ کی تربیت اور قوت قدسی کے زیر اثر اطاعت کے ایسے اعلیٰ معیار پر قائم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی اطاعت گزار جماعت کو مامور من اللہ کے بعد اس کے حال پر نہیں چھوڑ دیتا بلکہ خلافت کے ذریعہ انہیں راہِ ہدایت پر قائم رکھنے اور منزلِ مراد تک پہنچانے کا خود ذمہ اٹھا لیتا ہے پس جذبۂ اطاعت کے امتحان کے طور پر مامور من اللہ کا اپنے متبعین کو آواز دے کر بلانا اور مومنوں کا سب کام کاج اور کاروبار چھوڑ کر دیوانہ وار اس کی خدمت میں آحاضر ہونا اس درجہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ جماعت مومنین کا خلافت کے انعام سے سرفراز ہونا اس پر موقوف ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخر میں مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ مامور من اللہ کے بلانے کو معمولی بات نہ سمجھو۔ اُس کا تمہیں بلانا ایسا بلانا نہیں ہے جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ تمہارا اوّلین فرض یہ ہے کہ جب بھی وہ تمہیں آ جمع ہونے کے لئے بلائے تو فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو بحیثیت جماعت عظیم الشان انعام کے مستحق ٹھہرو گے بصورت دیگر اس انعام سے محروم ہو جانے کی وجہ سے تم آفات میں گھر جاؤ گے اور کوئی عجب نہیں کہ آگے چل کر دردناک عذاب میں بھی مبتلا ہونا پڑے۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖۤ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

(اے مومنو!) یہ نہ سمجھو کہ رسول کا تم کو بلانا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ تم میں سے بعض کا بعض کو بلانا۔ اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو کہ تم میں سے پہلو بچا کر بھاگ جاتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی آفت نہ پہنچ جائے یا انہیں دردناک عذاب میں مبتلا ہونا پڑے

(النور آیت ۶۴)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے مامور کی اطاعت کا جذبہ اور اس جذبہ کے امتحان کے طور پر مامور من اللہ کا اپنے متبعین کو آ جمع ہونے کے لئے بلانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ خلافت جیسا عظیم الشان قومی انعام جذبۂ اطاعت اور اس کے امتحان میں پورا اترنے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس سے پہلو تہی ایسی خطرناک بات ہے کہ جو قومی انعام سے محرومی اور نتیجۃً آفات و مصائب اور دردناک عذاب میں مبتلا ہونے پر منتج ہو سکتی ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضؓ جو ان آیات کے اوّلین مخاطب تھے خدا اور رسول کی اطاعت کے قرآنی حکم اور جذبۂ اطاعت کے امتحان کی اہمیت اور اس کے نتیجہ میں ملنے والے قومی انعام کی عظمت سے پوری طرح باخبر تھے۔ اسی لئے انہوں نے اطاعت کا ایسا اعلےٰ نمونہ پیش کیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آواز دے کر بلانے پر ہر دفعہ وہ ایسے دیوانہ وار کھنچے چلے آئے کہ اس راہ میں انہوں نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ خدا کی راہ میں وہ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور میدانِ جنگ میں ان کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ ان کی اطاعت کے اِس انتہائی اعلےٰ وارفع نمونے اور ہر موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز پر والہانہ لبیک کہنے کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے حسبِ وعدہ انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کی عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمایا اور جب تک اطاعت کا یہ جذبہ ان میں قائم رہا اور وہ اس کے جملہ تقاضوں کو بطریقِ احسن پورا کرتے رہے وہ اِس نعمت سے سرفراز رہے اور اس کی بدولت اسلام دنیا میں پھیلتا اور ترقی کرتا چلا گیا۔

اس آخری زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرما کر وہی انقلاب جو آج سے چودہ سو سال پہلے رونما ہوا تھا پھر برپا کر دکھایا۔ اُن متعدد مواقع کے علاوہ جب کہ آپؑ نے جذبہ اطاعت کے امتحان کے طور پر اپنے متبعین کو آواز دے کر بلایا۔ اللہ تعالےٰ نے آپؑ کو اس سلسلہ میں ایک خصوصی اور دائمی حکم بھی دینے کا ارشاد فرمایا۔ آپؑ کے وفا شعار صحابہؓ اس دائمی حکم پر بھی لبیک کہنے کے امتحان میں اس شان سے پورے اترے کہ فی زمانہ جس کی اور کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نمونہ سے خوش ہو کر قرآنی وعدہ کے بموجب انہیں بھی خلافت کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ دائمی حکم جو جذبۂ اطاعت کے ہمیشہ ہمیش جاری رہنے والے امتحان کی حیثیت رکھتا ہے جلسہ سالانہ کی شکل میں ہر سال ہمارے سامنے آتا ہے اور ہمیں لبیک کہتے اور اپنے اطاعت گذار ہونے کا عملی ثبوت پیش کرنے کا ایک انمول موقع

فراہم کرتا ہے اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو وعدہ استخلاف کی روشنی میں جلسہ سالانہ میں شمولیت کے دائمی حکم کی عظمت و اہمیت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ اس سے سرمو انحراف خسران مبین پر دلالت کئے بغیر نہیں رہتا اس لحاظ سے جلسہ سالانہ میں شمولیت کا حکم کوئی معمولی حکم نہیں ہے۔ اس سے غفلت انتہائی خطرناک نتائج پر منتج ہو سکتی ہے یہ حکم جذبۂ اطاعت کے اُس امتحان کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سال بہ سال پورا اترنے کے ساتھ وعدہ استخلاف کا دائمی طور پر پورا ہونا وابستہ ہے۔ جذبۂ اطاعت کے امتحان سے متعلق دائمی حکم کے الفاظ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے ۷۵ سال قبل اعلان فرمایا تھا یہ ہیں :-

"آج کے دن کے بعد جو ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے۔" (آسمانی فیصلہ)

نیز حضور علیہ السلام نے جملہ احمدیوں کے لئے جلسہ سالانہ میں شمولیت کو لازمی قرار دیتے ہوئے انہیں خاص طور پر مخاطب کر کے فرمایا :-

"حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کر لیں اور بدل و جان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آجائیں جن میں سفر کرنا اپنی حد اختیار سے باہر ہو جائے۔"

(آسمانی فیصلہ)

اس حکم سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ حکم صرف صاحب مقدرت لوگوں کے لئے ہے۔ اس لئے کم مقدرت والے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے کم مقدرت لوگوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ وہ سال کے دوران اپنے اندر اتنی مقدرت پیدا کرنے کی فکر رکھیں کہ وہ جذبۂ اطاعت کے اس خدائی امتحان میں پورے اتر سکیں۔ چنانچہ فرمایا :-

"کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلا دقت سرمایۂ سفر میسر آجائے گا۔ گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا۔"

پس کم مقدرت نہ تو کسی احمدی کے لئے جلسہ سالانہ میں عدم شمولیت کے واسطے عذر کا کام

نہیں دے سکتا۔ حضور علیہ السلام نے تو صرف ان احمدیوں کو شمولیت سے معذور ٹھہرایا ہے جن کو ایسے موانع درپیش آجائیں کہ جو ان کی حدِ اختیار سے باہر ہوں۔ ورنہ جہاں تک صاحبِ مقدرت اور کم مقدرت احمدیوں کا تعلق ہے ان میں سے بلا استثناء ہر احمدی کے لئے جلسۂ سالانہ میں شمولیت لازمی ہے

اب چونکہ جلسۂ سالانہ میں شمولیت کے لئے خدائی حکم کے تحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے متبعین کو بلانا اور اسے دائمی حیثیت دینا جذبۂ اطاعت کے امتحان کی حیثیت رکھتا ہے اور اس امتحان میں پورا اترنے کے ساتھ وعدۂ استخلاف کا گہرا تعلق ہے تاکہ اس وعدہ کے پورا ہونے سے دنیا میں اسلام سربلند ہو اور اس کا عالمگیر غلبہ ظہور میں آئے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اپنے متبعین پر واضح فرمایا کہ وہ اس جلسہ کو معمولی جلسوں کی طرح ایک عام جلسہ خیال نہ کریں بلکہ اسے خدائی وعدوں کے پورا ہونے کا ایک ذریعہ یقین کر کے اس کی عظمت و اہمیت کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

"اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں" (اشتہار ۷ردسمبر ۱۸۹۲ء)

خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام سے جلسہ سالانہ کا براہ راست تعلق ہونا اور اس کے نتیجہ میں اقوام عالم کے اسلام میں داخل ہونے سے غلبۂ اسلام کی راہ کا ہموار ہونا صاف اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جلسۂ سالانہ کا انعقاد جذبہ اطاعت کے اُس امتحان کی حیثیت رکھتا ہے جس میں پورا اترنے کے بعد ہی جماعت احمدیہ کے حق میں خلافت کا وعدہ پورا ہونا مقدر تھا کیونکہ خلافت احمدیّہ کی بنیادی غرض بھی خالص تائیدِ حق، اعلائے کلمۂ اسلام اور غلبۂ اسلام ہی ہے۔ جیسا کہ ہم قرآن مجید کی رو سے سطور بالا میں واضح کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے نعمتِ خلافت کو مومنوں کے جذبۂ اطاعت اور اس کے اُس امتحان میں پورا اترنے کے ساتھ وابستہ کیا ہے جو دعاء الرسول پر لبیک کہنے کی شکل میں اُس نے مقرر فرمایا ہے۔ سو اس آخری زمانہ میں جذبۂ اطاعت کا ایک ایسا ہی امتحان ہمارا جلسہ سالانہ بھی ہے۔ جس میں شمولیت کے لئے ایک دائمی حکم کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متبعین کو بلایا ہے۔ اس للّٰہی جلسہ میں بدل وجان شمولیت دراصل جذبۂ اطاعت کے خدائی امتحان میں پورا اترنا ہے اور بتائیدِ و توفیقِ الٰہی جماعتی طور پر خلافت جیسی عظیم الشان نعمت سے ہمیشہ ہی سرفراز رہنے کا اپنے آپ

کو محسوس بنانا ہے۔ پس ہمارا جلسہ سالانہ کوئی معمولی انسانی جلسہ نہیں۔ یہ جذبۂ اطاعت کا ایک خدائی امتحان ہے۔ ایسا امتحان جس میں سرخروئی نعمتِ خلافت کو قائم و دائم رکھنے کا موجب ہے، اُس خلافت کو جس کے ذریعہ دنیا میں اسلام کا غالب آنا مقدر ہے۔ اس لحاظ سے جلسہ سالانہ کی عظمت اور اس میں شمولیت کی اہمیت ظاہر و باہر ہے۔ اس میں شمولیت کی سعادت حاصل کرنا دراصل دنیا پر یہ آشکارا کرنا ہے کہ جماعتِ احمدیہ ہی وہ جماعت ہے جو فی زمانہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کی مصداق ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت اس کی مصداق رہے گی،

اسی للّٰہی جلسہ سالانہ جو جذبۂ اطاعت کے خدائی امتحان کی حیثیت رکھتا ہے کے انعقاد کے دن اب پھر قریب آ گئے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دروازہ پر ہیں۔ امسال رمضان المبارک کی وجہ سے یہ للّٰہی جلسہ دسمبر ۱۹۶۶ء کی بجائے ۲۶-۲۷-۲۸ جنوری ۱۹۶۷ء کو منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ مامور من اللہ کے دائمی حکم کی رو سے جو دعاء الرسول کا درجہ رکھتا ہے تمام احمدیوں پر خواہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا بوڑھے، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ صاحب مقدرت ہوں یا کم مقدرت۔ الغرض بلا استثناء سب پر اس میں شمولیت فرض ہے۔ اس کے بغیر وہ جذبۂ اطاعت کے اس خدائی امتحان میں پورا اترنے والے شمار نہیں ہو سکتے۔

پس اے مسیح پاک علیہ السلام کے اطاعت گزار متبعین! آؤ اور دیوانہ وار آؤ، سب دنیوی مصروفیات ترک کر کے آؤ، نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر آؤ، اور ثابت کر دکھاؤ کہ تم ان اصحابِ مسیح موعودؑ کی اولاد اور جانشین ہو جن کا جذبۂ اطاعت فی زمانہ بے مثل تھا۔ یہ انہی کے جذبۂ اطاعت کا ثمرہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو اپنے فضل سے خلافت جیسی عظیم الشان نعمت سے نوازا ہے۔ آؤ اور اس امتحان میں پورے اتر کر دنیا پر ایک دفعہ پھر ثابت کر دکھاؤ کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ خلافت کا خدائی وعدہ ایک دائمی وعدہ ہے جو قیامت تک پورا ہوتا چلا جائے گا۔ یہ امر کبھی فراموش نہ کرو کہ آئندہ بھی اس وعدہ کا پورا ہونا اور ہوتے چلے جانا دیگر اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر والہانہ لبیک کہنے کے عمل صالح پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے جذبۂ اطاعت سے خوش ہو کر اپنے وعدہ کے بموجب خلافت ثالثہ کی شکل میں ہمیں ایک دفعہ پھر ایک عظیم الشان انعام سے سرفراز فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس غیر معمولی فضل پر شکر کا اظہار اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم پہلے سے بھی بڑھ کر زیادہ جذبہ و جوش کے ساتھ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے اس حکم پر لبیک کہیں اور اس للّٰہی جلسہ میں شمولیت کے لئے اس کثرت سے آئیں کہ کثرتِ تعداد کے تمام سابقہ ریکارڈ مات کر دکھائیں۔ اس کے بغیر ہم جذبۂ اطاعت کے اس سالانہ امتحان میں پورے نہیں اتر سکتے۔ سو آؤ اور دیوانہ وار کھنچے چلے آؤ اور اپنے اس سالانہ امتحان میں پہلے سے بھی بڑھ کر شان کے ساتھ پورے اتر کر دنیا پر ثابت کر دکھاؤ کہ تمہارا جذبۂ اطاعت بفضل اللہ تعالیٰ سال کے سال فزوں سے فزوں تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور انشاء اللہ العزیز نسلاً بعد نسلٍ قیامت تک فزوں سے فزوں تر ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے بموجب جماعتِ احمدیہ کو قیامت تک خلافت کی نعمت سے سرفراز رکھے گا۔

ہم تصور میں بھی نہیں لا سکتے کہ کوئی احمدی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ استطاعت اور طاقت رکھنے کے باوجود وہ جلسہ میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے لئے دیوانہ وار اپنے مرکز میں کھنچا نہ چلا آئے۔ ہمیں یقین ہے کہ احمدی احباب نہ صرف پاکستان کے کونے کونے سے بلکہ بہ توفیقِ الٰہی بیرونی ممالک سے بھی اس امتحان میں پورا اترنے کے لئے دیوانہ وار کھنچے چلے آئیں گے اور اس طرح اپنے اطاعت گزار ہونے کا ثبوت دیں گے ——— اطاعت گزار اللہ کے، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، اُس کے مسیح پاک علیہ السلام کے، اور اس کے مقرر کردہ خلیفۂ برحق خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کے۔ وہ بھلا کیوں نہ کھنچے چلے آئیں گے جب کہ وہ جانتے ہیں کہ اس امتحان میں پورا اترے بغیر وہ اطاعت گزار نہیں کہلا سکتے۔ اور عند اللہ حقیقی مومن نہیں ٹھہر سکتے۔ گزشتہ ۷۵ سال سے وہ اپنے اطاعت گزار اور حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دیتے اور اس کے نتیجہ میں خدائی انعامات کے مورد بنتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ نہ صرف اس سال ایک دفعہ پھر بلکہ آئندہ بھی سال بہ سال پہلے سے بڑھ کر تعداد میں آئیں گے اور آتے چلے جائیں گے اور ان کے اس طرح دیوانہ وار آتے چلے جانے سے یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کا وعدہ ہر سال پہلے سے بڑھ کر شان کے ساتھ پورا ہوتا چلا جائے گا۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم

ہم نے یاد دہانی کے رنگ میں محض حصولِ ثواب کی خاطر احباب کو ان کے ایک نہایت اہم فرض کی طرف توجہ دلائی ہے اور اپنے اس احساس کے باوجود دلائی ہے کہ کہیں ہماری یہ یاد دہانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور دراز علاقوں میں بود و باش رکھنے والے وفا شعار و اطاعت گزار متبعین پر شاق نہ گزرے کیونکہ ان کا جذبۂ اطاعت فطری جذبہ کا رنگ رکھنے کے باعث کسی یاد دہانی کا محتاج نہیں۔ البتہ حصولِ ثواب کے ہم محتاج ہیں اور اپنی اس احتیاج کے پیشِ نظر ہی ہم نے یاد دہانی کے رنگ میں یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جہاں اپنے فضل سے احباب کو جوق در جوق پہلے سے کہیں بڑھ کر تعداد میں دلوانہ وار اپنے مرکز میں کھنچے چلے آنے کی توفیق عطا فرمائے وہاں ہمیں اپنے فضل سے اس یاد دہانی کے ثواب سے محروم نہ رکھے اور جہاں کڑا کے کے جاڑے اور اس کی شدت کے باوجود محض للّٰہ سفر کی صعوبت اٹھا کر دور و نزدیک سے آنے والے ان گنت بھائیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس سلسلہ میں کی ہوئی خصوصی دعاؤں کا مورد بنائے وہاں ہمیں بھی اپنے آنے والے بھائیوں کی خدمت کی توفیق عطا فرما کر سفر کی صعوبت اٹھائے بغیر ان دعاؤں کے وارثوں میں شمولیت کا اعزاز بخشے۔ حضور علیہ السلام آنے والے خوش نصیبوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں :-

"بالآخر میں دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہر یک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو۔ اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے۔ اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرما دے اور ان کو ہر تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دیوے اور روز آخرت میں اپنے بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا، اے ذو المجد و العطاء اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر یک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ثم آمین"

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

خاص دعائیں اور خاص توجہ!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اس جلسہ (یعنی جلسہ سالانہ) میں ایسے حقائق و معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے"

(آسمانی فیصلہ)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایک زبردست نشان جو ہر روز پورا ہوتا ہے

"ہر ایک راہ سے بڑی کثرت کے ساتھ تیرے پاس مہمان آئیں گے"

"چاہیئے کہ نہ تو ان سے تھکے اور نہ ان سے بدخُلقی کرے"

امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں جب کہ آپ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا خود ایک دعا سکھائی اور پھر خود ہی اس کی قبولیت کی بشارت سے آپؑ کو نوازا۔ اس دعا اور عند اللہ اس کی قبولیت کا ذکر آپؑ نے "براہین احمدیہ" میں اس وقت فرمایا جب کہ اس کی قبولیت کے کوئی آثار منصۂ شہود پر نہ آئے تھے آگے چل کر آپؑ کے دعویٰ ماموریت کے بعد یہ دعا آپؑ کی زندگی میں بڑی شان سے پوری ہوئی اور اس وقت سے لے کر آج کے دم تک پوری ہوتی چلی آ رہی ہے اور خدائی وعدہ کے بموجب آئندہ بھی پوری ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آ جائے گا۔

ہمارا جلسہ سالانہ بھی اس دعا ہی کی قبولیت کے ایک درخشندہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے جلسہ سالانہ کے قریب کے پیشِ نظر ذیل میں ہم اس دعا اور اس کی قبولیت کے عظیم بالشان ظہور کا تذکرہ حضور علیہ السلام کے الفاظ ہی میں درج کرتے ہیں۔ حضورؑ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو جلسہ سالانہ میں تقریر کے دوران فرمایا:۔

ماسوا اس کے ایک اور بات میں پیش کرتا ہوں جو بہت ہی صاف اور بدیہی بات ہے۔ براہینِ احمدیہ کے زمانہ میں جس کو ۳۲ سال کے قریب گذرے کیونکہ کتاب تالیف پہلے ہوتی ہے اور پھر طبع ہوتی ہے۔ اس کو شائع ہوئے بھی ۲۶ سال گذرے اور وہ تالیف اس سے بہت پہلے

ہوئی۔ اس میں اس قدر پیشگوئیاں ہیں کہ میں اس وقت اُن سب کو بیان نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے طور پر میں ایک کو بیان کرتا ہوں۔

اِس کتاب براھینِ احمدیّہ میں اللہ تعالیٰ مجھے ایک دعا سکھاتا ہے یعنی بطور الہام فرماتا ہے:۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ

یعنی مجھے اکیلامت چھوڑ اور ایک جماعت بنادے۔

پھر دوسری جگہ وعدہ دیتا ہے:۔

یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔

یعنی ہر طرف سے تیرے لئے وہ زر اور سامان جو مہمانوں کے لئے ضروری ہیں اللہ تعالیٰ خود مہیّا کرے گا۔ اور وہ ہر ایک راہ سے تیرے پاس آئیں گے ——— اور پھر فرمایا:۔

یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ

یعنی ہر ایک طرف اور ہر ایک راہ سے تیرے پاس مہمان آئیں گے اور اس قدر کثرت سے آئیں گے کہ قریب ہے تو اُن سے تھک جاوے یا بد خلقی کرے۔ اِس لئے پہلے سے بتادیا کہ نہ تو اُن سے تھکے اور نہ ان سے بدخلقی کرے۔

یہ پیشگوئیاں اِس براہین احمدیہ میں موجود ہیں جن کو شائع ہوئے ۲۶ سال کا عرصہ گزرتا ہے اور جس کی تالیف پر ۲۸ سال گزرتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو مخالفوں کے پاس بھی موجود ہے اور گورنمنٹ میں بھی بھیجی گئی اور مکّہ، مدینہ، اور بخارا میں بھی اس کے نسخے پہنچے۔ اب (یعنی آج) تو ان میں یہ الہامات درج نہیں کر دیئے گئے۔

اب غور کرو کہ جس زمانہ میں یہ پیشگوئی شائع ہوئی یا لوگوں کو بتائی گئی اُس وقت کوئی شخص یہاں آتا تھا؟ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا۔ اور کبھی سال بھر میں بھی ایک خط یا مہمان نہ آتا تھا۔ میں بالکل ایک گمنامی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ یہ ہندو جو یہاں رہتے ہیں اور اب گالیاں دیتے ہیں اور ہر قسم کی مخالفت کرتے اور خباثت دکھاتے ہیں ان کو قسم دو یا وہ بغیر قسم ہی بتائیں کہ کیا ان لوگوں میں سے کوئی ہمارے پاس تھا؟ یہ سب پہلے گواہ ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے ان نشانات کو دیکھا ہے اور اب وہ چھپاتے ہیں، اس طرح پر گویا سب سے پہلے جہنم کے لئے تیار رہیں۔ آریہ سماج والے ملاوامل اور شرمپت رائے یہاں موجود ہیں

یہ میرے ساتھ عموماً آیا جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ براہین احمدیہ چھپوایا کرتے اور اس کے پروف بھی انہوں نے دیکھے ہیں۔ اور جب ہم امرتسر جاتے تھے تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کہاں گئے۔ اور وہاں جاکر کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں رہے۔ اب اگر وہ ایمان رکھتے ہیں تو وہ جواب دیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے بہت سے نشانات دیکھے ہیں اور وہ گواہ ہیں لیکن قوم اور برادری کے ڈر سے خاموش ہیں۔ وہ کیوں اس شہادت کو ظاہر نہیں کرتے ؟ ... یہ سچائی کا خون کرنا ہے۔ وہ عنقریب جان لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہے۔ وہ قسم کھا کر بتائیں کہ کیا یہ رجوع لوگوں کا تھا ؟ کیا اسیطرح فتوحات آتی تھیں ! اسیطرح پر خطوط آتے تھے ! تم نے یہ عبارتیں پڑھی تھیں۔ اگر یہ سچ ہے اور تمہارے سامنے قبل از وقت ایسی حالت میں کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا۔ خدا تعالےٰ سے وحی پاکر میں نے خبر دی تھی اور وہ پوری ہوئی۔ تو پھر بتاؤ کہ کیا یہ انسان کا اپنا کام ہے کہ اس طرح پر قبل از وقت خبر دے اور ایک زمانۂ دراز کے بعد وہ پوری ہو جاوے ؟ ایک آدمی جو گمنامی کی حالت میں ہے اس کو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ تیرے لئے ایک زمانہ آتا ہے کہ تو عالم میں مشہور ہو جائے گا

فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ۔

ایک زمانہ آئے گا کہ تیری مدد کی جائے گی اور تو لوگوں میں شناخت کیا جائے گا۔ کیا یہ انسانی کام اور منصوبہ ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ ہی کا کام ہے کہ پہلے ایک واقعہ کی خبر دیتا ہے کیونکہ علم غیب اُسی کو ہے اور یہ اُسی کا خاصہ ہے اور وہ اپنے مرسلین پر ایسے ہی ظاہر کرتا ہے جب یہ بات ہے تو پھر سوچو کہ مر کر خدا تعالےٰ کے سامنے جانا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے ؛ باوجودیکہ تم نے اپنی آنکھوں سے اِن نشانات کو دیکھا اور تم ان کے گواہ ٹھہرے، اور سنے سنائے گواہ نہیں بلکہ رؤیت کے گواہ اور وہ بھی ایسے کہ دنیا بھر میں جواب نہ دے سکیں۔ یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کی حجّت تم پر قائم ہے۔ میں حلفاً کہتا ہوں سب سے زیادہ حجّت تم پر قائم ہے۔ اگرچہ ساری دنیا پر حجّت ہے مگر تم پر سب سے زیادہ ہے۔ میرا وجود اُس وقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک محض وجود تھا پھر جب کہ خدا تعالےٰ نے وعدہ کیا تھا اور جس کا تمہیں علم دے دیا گیا تھا اسیطرح پورا ہونا آسان بات نہیں ہے۔ دیکھو یہ کیسا بزرگ نشان ہے، ایسا نشان ہے جو ہر روز تازہ بتازہ پورا ہو رہا ہے۔" (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۷ء بحوالہ ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۶۳)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

يَوْمُ تَهْنِئَةٍ وَّفَتْحٍ

(مبارکبادی اور فتح کا دن)

فَدَتْكَ النَّفْسُ يَا خَيْرَ الْأَنَامِ ۔۔۔ رَأَيْنَا نُوْرَ نَبَأِكَ فِي الظَّلَامِ

تیرے پر جان قربان ہو اے بہترین مخلوقات - ہم نے تیری خبر کا نور اندھیرے میں دیکھ لیا

رَأَيْنَا اٰيَةً تَسْقِيْ وَ تُرْوِيْ ۔۔۔ وَتَشْفِي الْغَافِلِيْنَ مِنَ السَّقَامِ

ہم نے وہ نشان دیکھ لیا جو پلاتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور غافلوں کو مرض سے شفا بخشتا ہے

رَأَيْنَا النَّيِّرَيْنِ كَمَا أَشَرْتَا ۔۔۔ قَدِ انْخَسَفَا لِتَنْوِيْرِ الْأَنَامِ

ہم نے سورج اور چاند کو دیکھ لیا جب کہ تو نے اشارہ کیا تھا بہ تحقیق دونوں کو گرہن لگ گیا تا خلقت منور ہو

بِحَمْدِ اللّٰهِ قَدْ خُسِفَا وَكَانَا ۔۔۔ شَرِيْكَيْ مِحَنٍ أَيَّامِ الصِّيَامِ

شکر ہے خدا تعالیٰ کا کہ دونوں کو گرہن لگ گیا اور دونوں رمضان کی تکالیف کے شریک ہو گئے

أَتَانَا النَّصْرُ بَعْدَ ثَلٰثِ مِائَةٍ ۔۔۔ وَبَعْدَ مُرُوْرِ مُدَّةِ أَلْفِ عَامِ

ہمیں خدا تعالیٰ کی مدد تیرہ سو برس گزرنے کے بعد آئی

بَدَا أَمْرٌ يُعِيْنُ الصَّادِقِيْنَا ۔۔۔ وَلَا يُبْقِيْ شُكُوْكَ ذَوِي الْخِصَامِ

وہ امر ظاہر ہوا جو صادقوں کی مدد کرتا ہے اور جھگڑنے والوں کے شکوک کو باقی نہیں رکھتا

فَهٰذَا يَوْمُ تَهْنِئَةٍ وَّفَتْحٍ ۔۔۔ وَتَنْجِيَةِ الْخَلَائِقِ مِنْ أَثَامِ

پس یہ دن مبارکبادی اور فتح کا ہے اور خلقت کو گناہ سے نجات دینے کا دن ہے

(نور الحق)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بے عنایات خدا کار است خام!

(خدا کی مہربانی کے بغیر کام ادھورا رہتا ہے)

تافتن رو از خورِ تاباں کہ من ! خود بر آرم روشنی از خویشتن
(یہ خیال کر کے) روشن سورج سے منہ پھیر لینا کہ میں اپنے اندر سے آپ ہی روشنی پیدا کر لوں گا

ایں ہمیں آثارِ ناکامی بود بیخ شقوت نخوت و خامی بود
یہی تو نامرادی کے آثار ہوا کرتے ہیں۔ بدبختی کی جڑ تکبر اور خامی ہے

عالمے را کور کرد ست ایں خیال سرنگوں افگند در چاہِ ضلال
اس خیال نے ایک جہان کو اندھا کر رکھا ہے اور اسے گمراہی کے کنوئیں میں پھینک رکھا ہے

سوئے آب تشنہ را باید شتافت ہر کہ جست از صدقِ دل آخر بیافت
پیاسے کو پانی کی طرف دوڑنا چاہیئے جس نے صدق دل سے تلاش کی اس نے آخر کار مقصود کو پا لیا

آں خردمندیکہ جوید کوئے یار آبرو ریزد زبہرِ روئے یار
وہ آدمی عقلمند ہے جو یار کی گلی ڈھونڈتا ہے اور اس کے رخ کی خاطر اپنی عزت گنوا تا ہے

خاک گردد تا ہوا بر بایدش گم شود تا کس رہے بنمایدش
وہ خاک بن جاتا ہے کہ ہوا اسے لے اڑے اور فنا ہو جاتا ہے تاکہ اسے کوئی راستہ دکھائے

بے عنایاتِ خدا کار است خام پختہ داند ایں سخن را والسّلام
خدا کی مہربانی کے بغیر کام ادھورا رہتا ہے۔ عقلمند ہی اس بات کو جانتا ہے۔ والسّلام

سراجِ منیر

جلسہ سالانہ کی ایک عظیم الشان برکت!

حقیقی معنوں میں عباد الرحمٰن بننے کا زرّیں موقع

(سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے پُر معارف خطبات میں دیگر لاتعداد اہم علمی و دینی موضوعات اور تنظیمی و جماعتی امور پر روشنی ڈالنے کے علاوہ جلسہ سالانہ کی عظمت و اہمیت اور اس کی عظیم الشان برکات کو بھی نہایت مؤثر پیرایہ میں واضح فرمایا۔ ذیل میں حضور رضی اللہ عنہ کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۳ء کا اقتباس ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ اس میں حضور رضؓ نے جلسہ سالانہ کی ایک عظیم الشان برکت پر روشنی ڈال کر احباب کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جلسہ پر آنے اور اس عظیم الشان برکت سے اپنی جھولیاں بھرنے کی نہایت پُر اثر الفاظ میں تلقین فرمائی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

"میں باہر کی جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ کثرت سے جلسہ پر آئیں . . . . . کیونکہ دوسرے دنوں میں انہیں یہاں آنے کا موقع کم ملتا ہے۔ اور یہ ارادہ کر کے آئیں کہ وہ یہ دن ضائع نہیں کریں گے۔ میں پچھلے کئی سالوں سے جماعت کو اس طرف توجہ دلا رہا ہوں لیکن میری اس نصیحت پر صحیح طور پر عمل نہیں ہوتا۔ لوگ تقاریر کے دوران اِدھر اُدھر پھر کر اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ پس یہ وقت دینی کاموں میں لگائیں۔ تین دن تو انسان پھانسی کے ستون پر بھی گزار سکتا ہے۔ اور یہ رہائش (جو جلسہ کے دنوں میں یہاں اختیار کی جاتی ہے) اس سے تو بہر حال آسان ہے۔ ان تین دنوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ کچھ رہائش میں کمی آجاتی ہے اور کچھ کھانے میں کمی آجاتی ہے (یا اس سے زیادہ) اور کیا ہوتا ہے! پھر کیوں وہ یہ تین دن

دینی کاموں میں خرچ نہیں کر سکتے۔ پس تم جب جلسہ سالانہ پر آؤ تو اپنا سارا وقت دین کے لئے خرچ کرو۔ اور جو دوست تمہارے ساتھ جلسہ پر آئیں ان کی بھی نگرانی کرو کہ وہ اپنا وقت دینی کاموں میں لگائیں تا کہ تم خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر سکو۔

شریعت نے اعتکاف کی عبادت بھی رکھی ہے۔ یہ اعتکاف کیوں رکھا ہے؟ اس کی حکمت بھی یہی ہے کہ جب انسان اپنے ارادہ کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف منتقل کر دیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے فضل اس پر نازل ہونے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنے دنیوی کاموں سے مونہہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے لئے مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور دن رات وہیں رہتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کر لیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اعتکاف بیٹھے اور سارا دن باہر پھرتا رہے تو تم جانتے ہو کہ اس کا اعتکاف، اعتکاف نہیں ہوتا اسی طرح ایک لڑکا اگر سکول جاتا ہے لیکن وہ اکثر وقت باہر پھرتا رہتا ہے، کلاس میں نہیں جاتا، تو تم جانتے ہو اسے سکول سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہی حال جلسہ سالانہ کا ہے۔ جو شخص جلسہ کے لئے ربوہ آتا ہے اور پھر اپنے سارے وقت کو دینی کاموں میں نہیں لگاتا اسے جلسہ کا فائدہ کم ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل بھی اسی نسبت سے اسے کم ملتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا وقت خدا تعالیٰ کی راہ میں لگاتا ہے تو چاہے اسے کوئی بات سمجھ آئے یا نہ آئے خدا تعالیٰ کے فرشتے تو جانتے ہیں کہ وہ سارا وقت خدا تعالیٰ کی راہ میں بیٹھا رہا۔ اور یہ بھی ثواب کا موجب ہوتا ہے اس سے کسی شخص کا خانہ خالی نہیں رہ سکتا۔ چاہے وہ ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکے اللہ تعالیٰ کے دربار میں لکھا جائے گا کہ وہ ہماری خاطر بیٹھا رہا۔ جب انسان ارادہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو اور کسی ملک میں رہتا ہو اس کے نام پر یہ لکھا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خاطر بیٹھا رہا اور اس نے اتنا وقت خدا تعالیٰ کی خدمت میں گزارا۔

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو عبداللہ کہا گیا ہے اس میں یہی حکمت ہے کہ آپ نے اپنی ساری زندگی خدا تعالیٰ کی راہ میں لگا دی تھی۔ باقی لوگ تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے عباداللہ بنتے ہیں۔ کچھ بلوغت سے وفات تک کے عرصہ کے لئے عبداللہ ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو دن کے کچھ حصوں میں عبداللہ ہوتے ہیں اور باقی حصوں میں عبدالدنیا یا عبدالدینار بنتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عبداللہ کم ہوتے ہیں اور عبدالدنیا یا عبدالدینار زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کامل ترین عبداللہ تھے۔ جن کی زندگی کی ایک ایک ساعت خدا تعالیٰ کی رضامندی میں گزری اور یہ وہ مقام ہے کہ جس میں نہ کوئی پہلے آپ کا شریک ہوا اور نہ آئندہ شریک ہو سکتا۔

بہر حال اس پیچیدہ زندگی میں تین دن عبد اللہ بننے کی کوشش کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ دوسرے دنوں میں رات دن دوسری طرف کھینچنے والی چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن جلسہ کے دنوں میں صرف دین کی طرف کھینچنے والی چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔ لاہور اور کراچی میں تو یہ حال ہے کہ انسان دین کی طرف کوشش کرکے جاتا ہے، دنیا کی طرف کھینچنے والے موجبات زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن جلسہ کے دنوں میں دنیا کی طرف کھینچنے والی چیزیں نہیں ہوتیں۔ ساری کشش دین کی طرف ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان دنوں میں بھی دنیا کی طرف جاتا ہے تو وہ رستہ کاٹ کر جاتا ہے اور یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ کسی کو تین دن عبد اللہ بننے کے لئے ملیں اور ان کو بھی وہ ضائع کر دے۔

(المصلح کراچی ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء)

ذوق و شوق اور ولولۂ عشق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"تمام مخلصین داخلین سلسلۂ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدا تعالے چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالے یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہو گی۔" (آسمانی فیصلہ)

تقویٰ شعاری اور اس کا ایک بنیادی تقاضا

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے)

اللہ تعالیٰ کے ماموریں کے سوا دوسرے انسانوں میں سے کوئی بھی انسان جو اپنے دل کی حالت کو خوب اچھی طرح جانتا ہو۔ اپنی تقویٰ شعاری اور نیک اعمال کے بل بوتے پر خود اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ خدا کی نگاہ میں متقی اور پرہیز گار ہے اور یہ کہ اُس کا خاتمہ یقیناً ایمان کی حالت میں ہوگا چہ جائیکہ کوئی دوسرا انسان اس کے ظاہری اعمال اور تقویٰ شعاری کو دیکھ کر یہ کہہ سکے کہ یہ فی الواقعہ خدا رسیدہ انسان اور خدا کا محبوب بندہ ہے اس لئے کہ انسان کی نظر ظاہری اعمال پر ہوتی ہے۔ مگر خدا کی نظر دل کی اتھاہ گہرائیوں پر ہوتی ہے۔ وہ انسان کے مخفی در مخفی خیالات کو بھی جانتا ہے۔ ایک انسان جو بظاہر نہایت درجہ متقی پرہیز گار اور نیکو کار نظر آتا ہے ہو سکتا ہے اس کے دل کے کسی گوشہ میں اپنے اعمال کی بناء پر اباء اور استکبار اور رعونت کے خیالات پیدا ہو رہے ہوں اور وہ اپنی تقویٰ شعاری کے دعوے کی بناء پر اس زمانہ کے مامور اور اس کے خلیفہ کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے سے اپنے تئیں مستغنی جانتا ہو اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہو کہ خدا کا جو قرب مجھے حاصل ہے اور خدا ترسی اور تقویٰ شعاری کی جو کیفیت مجھ میں پائی جاتی ہے، اس کے بعد مجھے کسی اور انسان سے کچھ حاصل کرنے اور اس کی اتباع اور اطاعت اختیار کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ماموریں کے سوا کسی اور انسان کے متعلق یہ امر یقینی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں سے ہے اور یقیناً اس کا خاتمہ ایمان کی حالت میں اور بالخیر ہوگا۔ اس لئے اسے کسی اور وجود کی اقتداء اور اتباع میں راہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی حاجت نہیں اس راہ میں ذرہ بھر لغزش اور اباء و استغنا کا ایک کلمہ بعض اوقات ایک انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا

ہے اس لئے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں حقیقی طور پر سرشار اور صحیح معنی میں تقوی شعار ہوتے ہیں وہ اپنی تقویٰ شعاری کے اظہار کی بجائے اپنے تئیں ہیچ گردانتے اور خدا تعالیٰ سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وہ اپنے تئیں لاشیٔ محض یقین کرتے ہوئے اس راہ میں خدا تعالیٰ کے مامورین اور ان کے خلفاء۔ د کہ وہ بھی خود کو ہیچ سمجھتے ہیں اور اپنے رب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں) کی کامل اطاعت کا جؤا اپنی گردن پر رکھ کر ان کے اشاروں پر چلنے ہی میں سعادت اور فلاح دارین یقین کرتے ہیں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان لوگوں کے ذکر میں جو بظاہر نیک متقی اور پرہیز گار نظر آتے ہیں مگر دعوائے تقویٰ شعاری کی بنا پر وہ خدا کے مامورین کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے فرماتے ہیں :-

" ظاہر داری کے طور پر اگر کچھ کیا جاتا ہے تو کیا جاتا ہے۔ دل دلے رد ہی اور ہوتے ہیں ان کی آنکھیں صاف ہوتی ہیں ان کی زبان صاف ہوتی ہے۔ ان کے چال چلن میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لرزاں ترساں رہتے ہیں۔ نری زبان درازی سے کوئی اللہ کو خوش نہیں کر سکتا مجازی حکام کو جو اصل حالات سے ناواقف ہیں کوئی خوش کر لیوے۔ مگر اللہ کی نظر تو دل پر ہے اور وہ دل کے مخفی در مخفی خیالات تک کو جانتا ہے"

(ملفوظات جلد ہفتم صـ۱۳)

نیز حضورؑ فرماتے ہیں :-

" ایک شخص گیروے کپڑے پہن کر یا سبز لباس کر کے فقیر بن سکتا ہے اور دنیا دار اس کو فقیر بھی سمجھ لیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ تو اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور وہ کیا کر رہا ہے " (ایضاً)

پس وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت جاگزیں ہوتی ہے ان کی آنکھیں صاف ہوتی ہیں اپنے اعمال کی بجائے انہیں اپنا ہیچ اور لاشیٔ محض ہونا دکھائی دے رہا ہوتا ہے اس لئے ان کی زبان صاف ہوتی ہے جس سے اپنے خدا رسیدہ ہونے اور اس کے مقبول بندے ہونے کا کبھی ایک لفظ تک نہیں نکلتا۔ ان کے دل کے کسی گوشہ میں خدا تعالیٰ کے مامورین اور ان کے خلفاء کی اطاعت سے مستغنی ہونے اور اپنے لئے الگ راہ متعین کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا وہ ہر آن خدا کی ناراضگی سے ڈرتے اور اپنے تئیں ہیچ سمجھتے ہوئے استغفار اور خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مصروف رہتے ہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" اس قسم کا سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا تو انہوں نے جواب دیا عِلْمُهَا

عِنْدَ رَبِّیْ۔ ایسے ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ جیسے جیسے سمجھے گا ویسا معاملہ اس سے کرے گا۔ ہاں کوئی آدمی کسی کو متقی کیونکر یقین کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے لَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ۔ اور فرماتا ہے هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی اور فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہی عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ ہاں مامور من اللہ کے متقی ہونے اور نہ ہونے کے نشانات بیّن ہوتے ہیں نہ اوروں کے۔" (ملفوظات جلد ۷ ص ۲۳)

اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انسانوں میں سے کون متقی اور پارسا ہے اور کون نہیں۔ کیونکہ وہ دل کی باتوں اور سینہ کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے مامورین اور ان کے خلفاء کے سوا جنہیں خدا تعالیٰ خود مقرر کرتا ہے کسی اور شخص کو متقی جانتے ہوئے اس سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور خدا تعالیٰ کے مامورین اور ان کے خلفاء کی بجائے کسی اور انسان سے راہنمائی حاصل کرنا اور اس پر اپنی توجہ مرتکز کرنا قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ :-

"کوئی آدمی کسی کو متقی کیونکر یقین کر سکتا ہے" (المسیح الموعود)

اس ارشاد کی مزید تشریح فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام متقی کی تعریف یوں فرماتے ہیں:-

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور آپ نے دعویٰ کیا تو اُس وقت بھی لوگوں کی نظروں میں بہت سے یہودی عالم متقی اور پرہیزگار مشہور تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی متقی ہوں۔ خدا تعالیٰ تو ان متقیوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کے نزدیک تقویٰ اور اخلاص رکھتے ہوں۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سنا لوگوں میں جو ان کی وجاہت تھی اس میں فرق آتا دیکھ کر دعوت سے انکار کر دیا اور حق کو اختیار کرنا گوارا نہ کیا۔ اب دیکھو کہ لوگوں کے نزدیک تو وہ بھی متقی تھے مگر ان کا نام حقیقی متقی نہیں تھا۔ حقیقی متقی وہ شخص ہے کہ جس کی خواہ آبرو جائے ہزار ذلت آتی ہو جان جانے کا خطرہ ہو۔ فقر و فاقہ کی نوبت آئی ہو تو محض اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان سب نقصانوں کو گوارا کرے لیکن حق کو ہرگز نہ چھپائے"

(ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۴۳-۴۴)

ایک متقی انسان اپنے تئیں ہیچ محض قرار دیتا ہے۔ وہ نیک اعمال پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنی عاقبت بنانے کی خاطر اپنی آبرو کو قربان کر دیتا اور خدا تعالیٰ کے مامور اور اس کے خلیفہ کی بیعت کر کے خدا کی خاطر عاجزی اختیار کرتا ہے اور ان کی کامل اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے ہی میں سعادت

یقین کرتا اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔
ان لوگوں کا ذکر تو الگ رہا، جن کے دل میں شیطانی خیالات جاگزیں ہوں مگر ظاہراً وہ متقی اور نیک نظر آتے ہوں بعض اوقات ایسے انسان بھی جو خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی ملائکہ صفت انسان ہوتے اور دنیا میں ملائکہ کے ظل ہوتے ہیں بڑھ کر کھا جاتے ہیں، یہ مرتبہ کھو بیٹھتے ہیں اور ملائکہ کے ظل ہونے کی بجائے ابلیس کے ظل قرار دیئے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر آدم علیہ السلام کے واقعہ میں فرماتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَاذ قال ربّك للملٰئكة إنّي جاعلٌ في الارض خليفة قالوا اتجعل فيها من يّفسد فيها و يسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدّس لك قال انّي اعلم مالا تعلمون۔ (البقرہ ع ۴) اور (اے انسان تو اس وقت کو یاد کر) جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (اس پر) انہوں نے کہا کہ (کیا تو اس میں (ایک ایسا شخص) پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم (تو وہ ہیں جو) تیری حمد کے ساتھ (ساتھ تیری) تسبیح بھی کرتے ہیں اور تجھ میں سب برائیوں کے پائے جانے کا اقرار کرتے ہیں۔ (اس پر اللہ نے) کہا میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے
کچھ لوگ دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو ملائکہ کے نائب اور ظلی طور پر ملائکہ کہلا سکتے ہیں۔ مگر جب خدا تعالیٰ کے مامورین اور انبیاء اور ان کے خلفاء دنیا میں آتے ہیں تو یہ لوگ ان کی اطاعت اختیار کرنے کی بجائے یہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ نیک تقویٰ شعار عبادت گزار تو ہم ہیں اگر خدا نے نبی اور مامور بنانا اور کسی کو خلیفہ بنانا ہوتا تو وہ ہم کو بناتا نہ کہ کسی اور شخص کو۔ پس وہ اس کی کامل اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے کی بجائے اپنی تقویٰ شعاری، رموز دانی، خدا رسیدگی، اور اپنے قرب کے قصے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محولا بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جس طرح آدم خدا تعالیٰ کا نائب تھا اسی طرح بعض اور وجود بشر دل میں سے ایسے تھے جو ملائکہ کے نائب تھے اور ظلی طور پر ملائکہ کہلا سکتے تھے۔ اگر ایسے وجود نہ ہوتے اور صرف آدم کا دماغ ہی ترقی یافتہ ہوتا تو شریعت کا نزول عبث رہتا۔ ایسے وجودوں کے دلوں میں یہ بات بطور اعتراض کے پیدا ہو سکتی تھی کہ جب وہ خدا تعالیٰ کی عبادت اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق کر رہے ہیں تو پھر کسی شریعت لانے والے انسان کی کیا ضرورت ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ایسے لوگوں کے دلی خیالات کا بھی جواب دیا گیا ہو۔ اور اس

صورت میں اسے اعتراض قرار دینے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے اس وقت کے ظاہری تقویٰ شعار لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے پھر جو تقویٰ کے اصلی مقام پر ہوتے ہیں وہ تو اپنی غلطی کو سمجھ جاتے ہیں اور وقت کے امام کو مان لیتے ہیں لیکن جن کا تقویٰ کامل نہیں ہوتا وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور آخر ملائکہ کی صف سے نکل کر ابلیسوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ نظارہ بھی ہر نبی کے زمانہ میں نظر آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایک شخص زید نامی کا ہمیں پتہ ملتا ہے جو اپنے آپ کو ابراہیمی دین پر کہتا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں شرک کے خلاف لیکچر دیتا پھرتا تھا.... جب آپؐ نے دعویٰ کیا تو اس شخص کو ایمان لانے کی توفیق نہ ملی کیونکہ اس نے کہا اگر خدا تعالیٰ نے نبی بنانا ہوتا تو مجھے بناتا جس نے اس قدر شرک کے خلاف جہاد کیا ہے (بخاری جلد دوم مناقب الانصار و سیرت ابن ہشام جلد اوّل) یہ شخص بعثت نبویؐ سے پہلے گویا اپنے دل میں ایک فرشتہ کا رنگ رکھتا تھا مگر اس کے دل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے گریز کیا اور آپؐ کی بعثت کو لغو قرار دیا اور ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایسے وجود ہر نبی کے زمانے میں ہوتے ہیں اور باوجود ملائکہ کے اظلال ہونے کے نبی کی بعثت پر اعتراض کر کے ابلیس بن جاتے ہیں"

(تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل صفحہ ۲۸۱)

پس ہم میں سے ہر فرد کے لئے مقام خوف ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک متقی ہونا اور شئے ہے اور انسانوں کے نزدیک متقی ہونا اور شئے ہے" (ملفوظات جلد، صفحہ ۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ہم پر بے حد احسان ہے کہ اس نے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں خلافت الٰہیہ جیسی نعمت قائم کر کے ہمیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دست مبارک پر بیعت کرنے اور اپنا سب کچھ بیچ دینے کی سعادت نصیب کی ہے۔ پس قرآنی تعلیمات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تصریحات کے مطابق ہمیں اس زمانہ میں اپنے تئیں یا کسی اور انسان کو کچھ سمجھنے کی بجائے کامل انکسار کے ساتھ اپنی ساری توجہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر مرتکز رکھنے، حضور کی محبت میں سرشار رہنے، حضور کی کامل اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے اور حضور کے قائم فرمودہ نظام سلسلہ کی اطاعت اختیار کرنے کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنا ہے کہ اس کے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی نظروں میں اطاعت گزار اور تقویٰ شعار ہرگز قرار نہیں پا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ٭

صحابۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شعاری

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے)

اطاعت عربی زبان کا کلمہ ہے جو طوع کے مادہ سے ہے۔ اس کے معنے ہیں اپنی رضا اور خوشی سے کسی بالا ہستی یا افسرِ مجاز کے حکم کی تعمیل کرنا۔ گویا اطاعت ایک طوعی فیصلہ ہے جو ہم اپنے دل میں کرتے ہیں اور پھر عملی طور پر احکام کی خوشی خوشی تعمیل کر کے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ جو حکم ہمیں دیا جائے وہ ہماری مرضی کے خلاف ہو۔ طبیعت کی انتاد اور رَو کے متضاد ہو۔ لیکن ہم اسلامی اصطلاح کے مطابق تبھی اطاعت شعار کہلا سکیں گے جب کہ اگر حکم دینے والا افسرِ مجاز ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود شرح صدر سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس حکم کی تعمیل کریں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی قسم کی اطاعت کا نمونہ دکھایا کیونکہ ان کو ان کے آقا علیہ السلام نے یہی تاکید کی تھی۔ چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِہَ اِلَّا اَنْ یُّؤْمَرَ بِمَعْصِیَۃٍ فَاِنْ اُمِرَ بِمَعْصِیَۃٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حکم کو سنے اور خوشی سے اس کی تعمیل کرے۔ خواہ وہ اُس حکم کو پسند کرے یا ناپسند کرے سوائے اس کے کہ اُسے کسی گناہ کے مرتکب ہونے کا حکم دیا جائے۔ اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو وہ نہ تو ایسی بات کو سنے اور نہ ہی اطاعت کرے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کی روایت ہے کہ:۔

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلَى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا. لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ

(متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضا)

یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس بات پر کہ حکم دینے والوں کے حکموں کو سنیں گے اور خوشی سے اُن کی تعمیل کریں گے خواہ تنگی تُرشی ہو خواہ خوشحالی ہو۔ خواہ ہم ان حکموں پر رضامند ہوں یا انہیں ناپسند کرتے ہوں۔ اور خواہ ہم پر غیر مستحق لوگوں کو ترجیح دی جاری ہو۔ اور ہم نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہم کسی شخص کو کوئی معاملہ سپرد کر کے پھر اس کے بارے میں اس سے جھگڑا نہیں کریں گے یعنی اس کے فیصلوں کو قبول کریں گے لیکن آپؐ نے ہم سے یہ بھی وعدہ لیا کہ ہم اصلاح وارشاد کے عمل کو بھی قرآن کریم کے احکام کے تحت موقعہ محل کی رعایت سے ضرور جاری رکھیں گے یعنی خواہ ہم کہیں بھی ہوں اور کسی حالت میں بھی ہوں مناسب موقعہ و مقام پر کلمہ حق ضرور کہیں گے اور اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کریں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم کسی شخص کو کوئی معاملہ سپرد کر کے پھر اس سے جھگڑا نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ (حضور علیہ السلام نے فرمایا) تمہاری رائے میں اس کا حکم کھلے کھلے کفر کے ارتکاب کے لئے ہو جس کے خلاف تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل ہو یعنی قرآن کریم کی قطعی اور صریح نص ہو (اس روایت کو بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔)

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے آقا کے احکام پر کماحقہٗ عمل کر کے دکھایا اور خلافتِ راشدہؓ کے بعد میں آنے والے پُرفتن ایام میں فتنوں کو دبایا اور قیام امن میں ہمیشہ ممدّ و مددگار رہے۔

جہاں تک صحابہ کرام کی اپنے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اطاعت کا تعلق ہے وہاں تو ہمیں نقشہ ہی اَور نظر آتا ہے۔ جیسے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ؎

كَانُوْا لِخَيْرِ الرُّسُلِ كَالْاَعْضَاءِ

کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ ترین اشارے پر اس طرح حرکت میں آجاتے تھے جس طرح دماغ کے اشارے پر جسم انسانی کے اعضاء۔

۱۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن مسعودؓ کا واقعہ ہے کہ مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

لوگوں کو بیٹھ جانے کا ارشاد فرمایا یہ اس وقت گلی میں آ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کا یہ حکم گلی میں آنے والوں کے لئے نہ تھا۔ مگر یہ فوراً اسی جگہ بیٹھ گئے اور گھسٹ گھسٹ کر مسجد کی طرف آنے لگے تا ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم ایسا بھی ہو جو ان کے کان میں پڑا ہو لیکن انہوں نے اس کی فوری تعمیل نہ کی ہو۔

۲۔ جن لوگوں کو زردہ، تمباکو، سگریٹ یا حقہ کی عادت ہو وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ کسی ہلکے سے ہلکے نشہ کا عادی ہو کر اسے ترک کرنا کتنا مشکل امر ہے مگر اس بارہ میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل یہ ہے کہ صحابہ کرام کی ایک پارٹی شراب پی رہی تھی کہ یکایک منادی کی آواز کان میں پڑی کہ لوگو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ اس پر حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے مجھے کہا کہ باہر نکل کر شراب کے مٹکے الٹا دو۔ اور میں نے ساری شراب باہر نالی میں بہا دی۔ اور اس دن مدینہ کی گندی نالیوں میں پانی کی جگہ شراب بہہ رہی تھی۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس اعلان پر کسی نے مزید کرید کر دریافت نہ کیا بلکہ فوراً حکم سنتے ہی شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ (مسلم کتاب الاشربہ)

اب دیکھئے یہ وہ امر ہے جس میں آجکل کے مہذب و ترقی یافتہ زمانے کی بڑی سے بڑی حکومت ناکام ہو رہی ہے۔ جتنا جتنا شراب کی مخالفت کے قوانین بنتے ہیں اسی قدر زیادہ مخفی طور پر شراب کا استعمال جاری ہے اور پھر جو خود شراب چھوڑنا چاہے وہ اس پر قادر نہیں ہوتا۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس مشکل ترین امتحان میں بھی سو فیصدی نمبر لئے اور اس شدید نشے کو یکدم ترک کر دیا کیونکہ وہ ان نشوں سے کہیں بڑھ کر لذت آفریں نشہ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے عشق میں سرشار تھے اللہ تعالےٰ ہم سب کو اسی روحانی لذت سے وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین

۳۔ اب ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے عشق میں اس قدر مخمور تھے کہ اس کی خاطر اپنے جذبات تک کو کچل کر رکھ دینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ وہ سچ مچ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں خود بخود حرکت میں آجانے والے اعضاء بن گئے تھے۔

اُسْدُ الْغَابۃ۔ جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ پر ایک واقعہ درج ہے کہ حضرت سعد الاسودؓ السلمی نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضورؐ میں نے کئی جگہ شادی کے لئے خطبہ کیا ہے۔ لیکن میری شکل و صورت کے مکروہ اور سیاہ ہونے کی وجہ سے ہر جگہ انکار ہی ہوا ہے۔ حالانکہ میں اپنی قوم بنی سُلَیم میں معزز خاندان سے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو عمرو کے پاس جا۔ یا حضورؐ نے فرمایا کہ عمرو بن وہب کے پاس جا۔ یہ عمرو بنو ثقیف میں سے تھے۔ اور نئے نئے ہی مسلمان ہوئے تھے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کے پاس جاؤ۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ اور السلام علیکم کہو اور کہو کہ

اللہ کے نبی ؐ نے میری شادی تمہاری لڑکی سے تجویز کی ہے۔ اس شخص کی ایک جوان لڑکی تھی جو حسن و جمال اور عقل و خرد کی صفات حسنہ سے متصف تھی۔ انہوں نے یعنی حضرت سعد الاسودؓ نے ایسا ہی کیا۔ جب گھر والوں نے دروازہ کھولا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شادی تمہاری لڑکی سے تجویز کی ہے۔ صاحبِ خانہ نے سختی سے انکار کیا اور وہاں سے واپس چل پڑے۔ تب وہ لڑکی (جو یہ گفتگو کو سن رہی تھی) اپنے پردہ سے باہر آگئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے بندے واپس لوٹ آ۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی ؐ نے میری شادی تیرے ساتھ تجویز کی ہے تو میں اپنے لئے اسی امر پر رضامند ہوں جس پر اللہ اور اس کا رسول ؐ راضی ہیں۔ پھر اس لڑکی نے اپنے باپ کو کہا کہ جلدی بھاگو جلدی بھاگ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچو پیشتر اس کے کہ اللہ کی وحی تیرے لئے رسوائی کا سامان کر دے۔ وہ بوڑھا نکلا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ہی وہ ہے جس نے میرے بھیجے ہوئے کو انکار کیا تھا؟ اس پر اس نے کہا کہ حضور میں نے وہ کام کر دیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ ہم نے گمان کیا تھا کہ شاید وہ غلط بیانی کر رہا ہے۔ ہم نے اس لڑکی کی شادی اس سے منظور کر لی ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد الاسودؓ سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ اور شادی رچاؤ۔ اس پر حضرت سعد بازار گئے تاکہ اپنی بیوی کے لئے ضروری سامان خریدیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک منادی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا کہ

يَا خَيْلَ اللّٰهِ ارْكَبِي وَبِالْجَنَّةِ اَبْشِرِي

کہ اے اللہ کے شاہسوارو! جہاد کے لئے تیار ہوتے ہوئے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور جنت کی خوشخبری حاصل کرو۔ اس پر حضرت سعدؓ نے بجائے سامانِ عروسی خریدنے کے ایک تلوار، ایک نیزہ اور ایک گھوڑا خرید لیا پھر وہ اپنے سر اور چہرہ کے گرد پگڑی لپیٹ کر سوار ہو کر مہاجرین میں جا ملے۔ لیکن انہوں نے انہیں پہچانا نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو دیکھا لیکن حضور علیہ السلام نے بھی انہیں نہ پہچانا۔ پھر میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی۔ یہاں تک کہ گھوڑے نے جواب دے دیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔ تب انہوں نے پیادہ ہو کر جنگ جاری رکھی اور اپنے بازو کھول لئے اور ننگے کر لئے۔ جب حضور علیہ السلام نے ان بازوؤں کی سیاہی کو دیکھا تو انہیں پہچانا۔ حضرت سعدؓ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے اعلان کیا کہ سعدؓ گر گئے ہیں یعنی شہید ہو گئے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ آپؐ نے ان کے ہتھیار اور گھوڑا ان کی بیوی کو بھجوا دیا اور کہا کہ ان کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سعدؓ کی شادی تمہاری لڑکی سے

بہتر وجہ سے کردی ہے اور یہ اس کی میراث ہے وہ تمہارے حوالے ہے)

مندرجہ بالا حدیث سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ایک کنواری لڑکی کے ایمان اور جذبۂ اطاعت رسول کے کمال کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح صرف اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خاطر انہوں نے حضرت سعدؓ کی بدصورتی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور اپنے جذبات کو قربان کرتے ہوئے بخوشی اپنے آپ کو آن کی زوجیت میں دینا منظور کرلیا اور اپنے والد کو فوراً حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنی غلطی کی تلافی کے لئے بھجوایا۔ ادھر حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالے عنہ کے جذبۂ فدائیت کو دیکھیئے کہ جونہی کانوں میں یہ آواز پڑی کہ اے اللہ کے شاہسوارو! سوار ہو جاؤ اور جنت کی خوشخبری حاصل کرو تو اپنی شادی اور سامان عروسی کو بھول گئے اور اُسی دم سامان جنگ خریدا اور جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر اس خیال سے کہ اگر مجھے صحابہ نے یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا تو شاید مجھے جنگ پر لے جانے کی بجائے میری شادی کے خیال سے پیچھے چھوڑ جائیں۔ انہوں نے اپنے چہرے کو ڈھانپے رکھا اور اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ شاید ان کی یہ قربانی ان کی بننے والی دلہن کی قربانی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالے نے اس قربانی کو نوازا اور انہیں شہادت کا عظیم اور بلند مقام عطا فرما دیا اور پھر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے وارث جنت اور نعمائے جنت ہونے کا عام اعلان بھی کروا دیا۔ یہ واقعہ اس امر کا کھلا کھلا ثبوت ہے کہ صحابہ اور صحابیات رضوان اللہ علیہم کا جذبۂ عشق و جذبۂ اطاعت ان کے باقی تمام جذبات پر غالب تھا اور وہ سب فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کے رتبۂ عالیہ تک پہنچے ہوئے تھے۔

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر از دل و جان نثار تھے اور اپنے دلبر و محبوب کی اطاعت کرنا تو ایک عام بات ہے۔ شاید وہ دوسروں کی اس طرح اطاعت نہ کرتے ہوں مگر یہ درست نہیں کیونکہ وہ جس کی بھی اطاعت کرتے تھے اللہ تعالے اور اس کے رسولؐ کی خاطر کرتے تھے اور کیونکہ ہر جگہ ان کا اصل مقصود اللہ تعالی کی خوشنودی اور اس کی رضا کا حصول تھا اس لئے وہ ہر جگہ اطاعت کا شاندار نمونہ ہی دکھاتے تھے کیونکہ مقصود بالذات اللہ تعالے کی رضا ہی تھی۔ اور یہی معنی ہیں قرآن کریم کے ان الفاظ کے کہ مخلصین لہ الدین۔ کہ وہ اطاعت اور دینداری کو صرف اور صرف اللہ تعالے سے مخصوص کرتے تھے۔

اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مومن اللہ تعالے کی عبادت و اطاعت صرف اُسی کی رضا کی خاطر کرتے ہیں۔ ریا و نمود کا اس میں ذرہ بھر شائبہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اللہ تعالے کے علاوہ کسی اور وجود کی رضا یا

ناراضگی ان کے مدّنظر ہوتی ہے۔ دوسرے معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ مومن اگر بندوں کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اور اس کی رضا کی خاطر ہی کرتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زمانۂ خلافت راشدہ کے بعد ملوک عضوض کا زمانہ بھی پایا لیکن انہوں نے ان کی بھی اطاعت کی نہ ان کی ذات کی خاطر بلکہ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی خاطر۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے اطاعت وجاں نثاری کا جو مثالی اور ارفع نمونہ پیش کیا وہ دوسرے انبیاء علیہم السّلام کے متبعین کے حالات کے مقابلے میں آکر اور بھی واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ اطاعت اور جاں نثاری کا امتحان ابتلاء اور مصائب کی گھڑیوں میں ہی ہوتا ہے جب کہ بڑے بڑے پہلوانوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ایسی ہی ابتلاء و آزمائش کی گھڑی قوم موسیٰ پہ آئی تو انہوں نے کہہ دیا کہ

اذهب انت وربك فقاتلا انا هٰهنا قاعدون۔

کہ تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور دشمنوں سے جنگ کرو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اور تمہاری فتح کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابل پہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کا نمونہ دیکھیں کہ جنگ بدر سے ذرا پہلے جب کہ ظاہر حالات میں صحابہؓ کے سامنے یقینی موت کا سامنا تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّھَا النَّاسُ کہ لوگو مجھے مشورہ دو اس پہ مہاجرین اٹھ اٹھ کر اپنی جاں نثاری کا اظہار کرنے لگے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم برابر یہی ارشاد فرماتے رہے کہ لوگو مجھے مشورہ دو۔ اس پہ انصار میں سے حضرت مقداد بن الاسودؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہؐ! لوگ آپ کو مشورہ تو دے رہے ہیں مگر آپؐ یہی ارشاد فرما رہے ہیں شاید آپؐ کی مراد انصار سے ہے کہنے لگے کہ یا رسول اللہؐ! ہم تو اس لئے خاموش تھے کہ مقابل پہ ہمارے بھائی مہاجرین کے بھائی بند اور رشتہ دار ہیں ہم ان کے مقابل پہ مخالفانہ باتیں کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے اور یا رسول اللہؐ! شاید آپؐ کا بھی اشارہ بیعت عقبہ کی طرف ہے جہاں ہم نے آپؐ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر دشمن مدینہ پہ حملہ کرے گا تو ہم آپ کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے لیکن مدینہ سے باہر جنگ کرنے کے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ مگر یا رسول اللہؐ! وہ ہمارا وعدہ تو اس وقت کا تھا جب ہم نے ابھی آپؐ کو پہچانا نہیں تھا۔ مگر یا رسول اللہؐ! اب تو یہ حالت نہیں۔ اور اس پر حضرت مقدادؓ نے کہا

لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفَكَ۔

(بخاری کتاب المغازی)

یعنی ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السّلام کی قوم نے کہی تھی کہ تُو اور تیرا رب جاؤ اور دونوں جنگ کرو۔ بلکہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے دائیں لڑیں گے۔ بائیں لڑیں گے آپ کے آگے لڑیں گے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے۔ یعنی چاروں طرف سے ہم آپ کی مدافعت میں جانیں قربان کریں گے دشمن اگر آپ تک پہنچے گا تو ہماری لاشوں کو روند کر ہی ایسا کر سکے گا۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا رُخ انور خوشی سے کھل گیا اور مہرِ عالمتاب کی طرح چمکنے لگا۔ اور حضورؐ نے جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

یہ وہ لوگ تھے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی خاطر میدان فنا میں بہت دور تک نکل گئے تھے اور اپنے نفوس پر ہزار ہا موتیں وارد کر چکے تھے۔ اور اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر چکے تھے۔ اور انہی کے حق میں خالق عالم نے آسمان سے یہ منادی کی کہ

مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ

کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور بعض ابھی انتظار کر رہے ہیں کہ کب موقعہ آئے اور ہم بھی ایسا ہی کریں۔

اسی لئے خالق کونین عزّ اسمہٗ نے آسمان سے انہیں خوشنودی کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا کہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔

یعنی اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ تعالےٰ سے راضی ہو گئے۔

مگر یہ خوشنودی صرف اور صرف صحابہ کرامؓ کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ جو بھی سچائی اور وفا کے ساتھ ان کی راہ پر گامزن ہو گا اور اپنے رب کی حقیقی خشیت دل میں پیدا کرتے ہوئے اس کے احکام کے آگے سر اطاعت خم کرے گا۔ اس کو بھی اسی سند خوشنودی سے نوازا جائے گا۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم جیسے ضعیف اور عاجز وجودوں کو محض اپنے فضل و کرم سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلائے اور اسی روحانی متاع کا وارث کرے جس کے وہ وارث ہوئے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

وَاٰخِرُ كَلِمَتِنَا حَمْدُهٗ وَشُكْرُهٗ لِرَبٍّ مُحْسِنٍ ذِي الْاِمْتِنَانِ

اِسلام کی نشاۃ ثانیہ اور جزائرِ برطانیہ!

(از مکرم شیخ نذیر احمد صاحب مبشر ایم اے نائب امام مسجد لندن)

ہر چند کہ انیسویں صدی عیسوی میں اسلام کا ضعف و اضمحلال اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اِن کے باوجود اِس میں بھی ذرا کلام نہیں کہ خود اسلام کے نقطۂ نگاہ سے یہ صدی ایک عہد آفریں صدی ثابت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ عین اس صدی میں ہی مسیح کی آمدِ ثانی کا خدائی وعدہ جس کے ساتھ خدائی نوشتوں کے بموجب اسلام کی نشأۃِ ثانیہ وابستہ تھی بڑی آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے نصف آخر میں مسیح موعودؑ کی حیثیت سے مبعوث فرمایا چنانچہ آپ مسیح کے ساتھ فطری مشابہت کے باعث اُسی کی خو بُو لے کر اُسی کے رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوئے۔ چونکہ آپ اسلام کو از سرِ نو زندہ کرنے اور اسے ساری دنیا میں غالب کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہی غلبۂ اسلام کی آسمانی بشارت کا اِن الفاظ میں اعلان فرمایا:۔

> "سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اُس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں نہ قبول کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔" (فتح اسلام)

آپ نے انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب یہ اعلان فرمایا اُس وقت دنیا میں عیسائیت کا سیلاب ہر قسم کی جغرافیائی حدود پھاند کر بڑھتا اور پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اور محسوس یوں ہوتا تھا کہ یہ پورے کرۂ ارض کو

اپنی لپیٹ میں لئے بغیر نہ رہے گا۔ اسلام کے غالب آنے کا صاف اور واضح مطلب یہ تھا کہ عیسائیت کا یہ غلبہ مٹ جائے گا۔ اور اس کی جگہ اسلام دنیا میں غالب آئے گا۔ چنانچہ آپ نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید فرمایا:-

"میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے ... میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا آقا قادر و توانا مجھے تسلّی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے، غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے، مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں۔ سو اب اُس نے چاہا ہے کہ ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھا دے۔ سو اَب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔ اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو تسلیم کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہو گی اور نیا آسمان ہو گا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا۔ اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہو گا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے۔ اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں۔ اور جو نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہو گا جب تک دجّالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا، اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔" (اشتہار ۱۴ر جنوری ۱۸۹۷ء)

اُس وقت اِس امر کے خفیف سے خفیف آثار بھی موجود نہ تھے کہ عیسائیت کا یہ غلبہ مٹے گا۔ اور اس کی بجائے دنیا میں اسلام غالب آجائے گا لیکن آج جب کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

علیہ السلام کی اس پیشگوئی کو ابھی تقریباً ستر سال ہی گزرے ہیں حالات میں ایک محیر العقول انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ عیسائیت بے شک ابھی تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھائی ہوئی ہے لیکن اس کا یہ غلبہ اب رو بہ انحطاط ہے اور اسلام دن بدن ترقی کر رہا ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود عیسائی لیڈروں کو بھی ہے اور اس بارہ میں ان کے بیانات آئے دن اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی ترقی تو اس ایک امر سے ہی ظاہر ہے کہ پہلے دنیا میں اسلام کا ایک بھی تبلیغی مشن موجود نہ تھا اور آج جماعت احمدیہ کے دنیا کے بیشتر ممالک میں تبلیغی مشن قائم ہیں اور ان کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ خود انگلستان کی سرزمین میں جماعت احمدیہ کے ایک مضبوط تبلیغی مشن اور جماعت کا موجود ہونا اس امر کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ آج مغربی ممالک میں جہاں پہلے کوئی اسلام کا نام بھی نہیں جانتا تھا اسلام کا بیج بو دیا گیا ہے۔ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور پھلے گا اور بالآخر ایک تناور درخت بن کر رہے گا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ بیج تناور درخت اس وقت تک نہیں بنے گا جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزازِ اسلام کے لئے سار ی ذلتیں نہ قبول کر لیں۔

تاریخِ عالم شاہد ہے کہ بڑے بڑے انقلاب کسی جنتر منتر کے ذریعہ چشم زدن میں رونما نہیں ہوا کرتے، بالخصوص بعض انقلاب تو ایسے ہوتے ہیں جو بہت آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں۔ زمانہ دراز تک اہلِ دنیا کو یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے درمیان ایک ایسا ہمہ گیر انقلاب جنم لے رہا ہے جو دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دے گا۔ خدائی تحریکات کے نتیجہ میں غیر مشہود و غیر محسوس طور پر گوناگوں تغیّر پذیر اثرات جمع ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ جب یہ اثرات ایک حد تک منصۂ شہود پر آکر دنیا والوں کو باور کرا دیتے ہیں کہ جلد یا بدیر ایک نئی زمین اور نیا آسمان معرضِ وجود میں آنے والا ہے۔ حالات و واقعات میں فی الاصل بتدریج لیکن بظاہر اچانک رونما ہونے والے ان تغیرات پر وہ ورطۂ حیرت میں پڑے بغیر نہیں رہتے۔

اس کی واضح مثال ابتدائی زمانہ میں عیسائیت کے صدیوں مغلوب رہنے اور پھر آہستہ آہستہ غالب آنے کے مخصوص حالات میں ملتی ہے۔ جب رومن ایمپائر میں عیسائیت کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ اس وقت کون گمان کر سکتا تھا کہ عیسائیت بالآخر پوری رومن ایمپائر کا مذہب قرار پائے گی۔ خود انگلستان میں عیسائیت کو جن نامساعد حالات سے دوچار ہونا پڑا اس کی داستان کچھ کم دلچسپ

اور کم بصیرت افروز نہیں ہے۔ اسی انگلستان کی زمین جہاں آج عیسائیت کو سٹیٹ ریلیجن کی حیثیت حاصل ہے۔ ابتدائی زمانہ میں عیسائیت کے حق میں اس قدر سنگلاخ ثابت ہوئی تھی کہ شاید ہی کسی اور ملک کی زمین اس قدر بنجر اور سنگلاخ ثابت ہوئی ہو۔ جب سالہا سال کی جدوجہد کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور جو معدودے چند عیسائی ہوئے بھی تھے وہ الٹے پاؤں واپس پھر گئے تو عیسائی مشنری مایوس ہو کر بالآخر یہاں سے اپنا بوریا بستر اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے اور انہوں نے پوپ سے کہہ دیا تھا کہ دنیا کی ہر قوم عیسائی ہو سکتی ہے نہیں ہو سکتے تو اہل انگلستان۔ آخر ایک لمبے عرصے کے بعد از خود وہاں حالات نے پلٹا کھایا۔ ہوتے ہوتے پہلے وہاں کی ملکہ عیسائی ہوئی اور پھر اس نے بڑی حسن تدبیر سے بادشاہ کو عیسائی بنایا۔ اس کے بعد کہیں جا کر رعایا کو بھی عیسائیت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ ملکہ نے خود پوپ کے پاس سفارت بھیج کر اس سے التجا کی کہ وہ مشنریوں کو دوبارہ انگلستان بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو دھڑا دھڑ عیسائی بنا کر یہاں ایک مضبوط چرچ کی بنیاد ڈالیں۔ ابتداً انگلستان میں عیسائیت کے پھیلنے کا ذکر نیوزی لینڈ کے ایک سابق وزیر اعظم سر جارج گرے آنجہانی (SIR GEORGE GREY) نے بھی ۱۸۹۴ء کی مشنری کانفرنس منعقدہ لندن کے آخری پبلک اجلاس میں صدارتی خطبہ پڑھتے ہوئے کیا تھا انہوں نے کہا تھا:۔

"یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم ہتھیلی پر سرسوں جمانا اور بعجلت نتائج و ثمرات سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں۔ ماضی پر نظر ڈالتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ عیسائیت کو یورپ میں پھیلانے اور غالب کرنے میں ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ لگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج تک بھی عیسائیت یہاں دلوں میں پورے طور پر راسخ نہیں ہو سکی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ ایک بہت طویل زمانہ ہے جو یورپ کو عیسائی بنانے میں لگا۔ مزید براں اگر دیکھا جائے تو ہم ایک اور غلط فہمی کا بھی شکار ہیں۔ ہم بسا اوقات یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں وہ تبلیغی جدوجہد میں اتنی ہمت اور صلاحیت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھے جتنی ہمت و صلاحیت اور جدوجہد کا مظاہرہ فی زمانہ ہمارے مشنری کر رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یورپ اور برطانیہ عظمیٰ میں ابتدائی مشنریوں کا کام بہت آسان تھا۔ انہیں یہاں آ کر بہت سیدھے سادھے اور اطاعت شعار لوگوں کو عیسائی بنانا تھا سو بہت آسانی سے انہوں نے یہ مہم سر کر دکھائی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے سنگلاخ، ایسے پکے اور کٹر قسم کے کافر کہیں بھی پہلے نہ ہوئے تھے جیسا کہ برطانیہ کے

کے رہنے والے تھے۔

میں سمجھتا ہوں یہاں بیڈ (BEDE) کی کتابوں کا بہت کم مطالعہ کیا گیا ہے جو لوگ تحقیق و جستجو کے لئے اس کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے۔ ان کو پتہ چلے گا کہ انگلستان کے جنوبی اور وسطی حصوں کے رہنے والے مشرکین کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو ایک دفعہ عیسائیت قبول کر لینے اپنی مذہبی غلامی سے بظاہر ایک حد تک نجات حاصل کر لینے اور اپنے بعض قدیمی رسوم و رواج ترک کر دینے کے بعد پھر انتہائی واہیات قسم کے مشرکانہ عقائد کی طرف واپس لوٹ جاتی تھی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جن عیسائی عقائد کو وہ اپنے درمیان برقرار رکھتے بھی تھے بڑے ہی مضحکہ خیز طریق پر انہیں اپنے مشرکانہ عقائد کے ساتھ گڈ مڈ کر کے بُری طرح مسخ کر دیتے تھے۔ بالآخر ان عظیم اور نیک مشنریوں نے جو کسی کامیابی کے بغیر انگلستان میں مصروف کار تھے پوپ سے درخواست کی کہ وہ انہیں انگلستان سے واپس بلا لے۔ انہوں نے لکھا ——— "برطانیہ کے لوگ ایک ایسی قوم ہیں جسے عیسائیت کا حلقہ بگوش بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ ہمیں کسی اور قوم یا بعض اطاعت پذیر قبائل یا ایسے لوگوں کے پاس بھجوایا جائے جنہیں آسانی سے تابع میں لایا جا سکے۔ ایسی جگہ ہم کچھ نہ کچھ کامیابی حاصل کر سکیں گے اور اس طرح ہماری صلاحیتیں اور ہماری کوششیں بے نتیجہ اور بے اثر رہنے اور ضائع ہونے سے بچ جائیں گی۔ خدارا! ہمیں اس قوم کے درمیان سے واپس بلایا جائے جو ہمارے وجود کے لئے مسلسل ایک خطرہ بنی ہوئی ہے" ——— پوپ نے انہیں جواب میں لکھا کہ وہ اہل برطانیہ کو ان کے حال پر چھوڑ کر واپس آ جائیں کیونکہ وہ ایک ناکارہ اور ناقابل اصلاح قوم ہیں جن کے لئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

. . . . جس قوم کا میں ذکر کر رہا ہوں پتہ ہے آگے چل کر اس کے ساتھ کیا ہوا۔؟ وہاں ایک بہت عظیم اور نیک روح موجود تھی اور وہ تھی ایک عورت یعنی خود ملکۂ انگلستان۔ اس نیک دل خاتون نے اس مشنری کی جو اکیلا ہی وہاں رہ گیا تھا مدد کی۔ اور دونوں نے مل کر انگلستان میں عیسائیت کی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ وقت گزرتا گیا آخر کار برطانیہ سے پوپ کی خدمت میں ایک خط موصول ہوا۔ اس خط میں لکھا تھا ——— "مشنریوں کو اس ملک میں دوبارہ واپس بھجوائیے۔ اہل برطانیہ ان کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہیں" ——— چنانچہ مشنریوں کو واپس بھجوایا گیا۔ وہ پوپ کی طرف سے ایک تحفہ لے کر برطانیہ

کی سرزمین میں دوبارہ وارد ہوئے۔ اور کیا ہی عجیب وہ تحفہ تھا جو ملکہ برطانیہ جیسی مقدس ہستی کے لئے بھیجا گیا! پوپ نے تحفہ کے طور پر ملکہ کو ایک آئینہ بھیجا اور اس کے ساتھ بعض ادنیٰ اور سوتی پارچات اور ایک بہت ہی قیمتی جڑاؤ پن بھی بھیجا۔ اس تحفہ کے ہمراہ پوپ کی طرف سے ایک شکریہ کا خط بھی تھا۔ قدیم تذکروں میں محفوظ ہو کر جو ذکر اس خط کا ہم تک پہنچا ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ بلاشبہ وہ خط دنیا میں نثر نگاری کے بہترین نمونوں میں سے ایک نمونہ تھا۔ جس میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ کس طرح ایک عیسائی بیوی رفتہ رفتہ اپنے مشرک اور بے دین خاوند کو رام کر کے اس کی اصلاح کر سکتی ہے"

(ترجمہ از آفیشل رپورٹ آف دی مشنری کانفرنس ۱۸۹۴ء صفحہ ۶۹۳، ۶۹۴)

جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے انتہائی نامساعد اور مایوس کن حالات کے باوجود زمانہ دراز کی جدوجہد کے بعد انگلستان میں عیسائیت پھیل کر رہی تھی اسی طرح اس زمانہ میں اسلام بھی انگلستان میں پھیل کر اور غالب آکر رہے گا۔ اگر ہماری کوششیں بظاہر بار آور نہ ہوں تو بھی ہمارے لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ فی الوقت اسلام کے لئے یہاں حالات ایسے مایوس کن نہیں ہیں جیسے مایوس کن حالات سے اس سرزمین میں ابتداءً عیسائیت کو دوچار ہونا پڑا تھا۔ ہمارا کام تو یہی ہے کہ ہم نتائج سے بے پرواہ ہو کر یہاں حق کی منادی کرتے چلے جائیں۔ یہ انتھک مساعی رنگ لائیں پر لائیں یہ ہو نہیں سکتا کہ نیک فطرت لوگ بالآخر ہماری طرف کھنچے چلے آئیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج   جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

اگر اہل انگلستان کی موجودہ نسلیں اسلام کے پیغام پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو نہ ہوں ان کی آئندہ نسلیں کبھی نہ کبھی بڑے زور سے اس کی طرف متوجہ ہوں گی اور بے اختیار اس کی طرف کھنچی چلی آئیں گی خدائی وعدوں کے بموجب جب وہ مقدر وقت آئے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اسلام کی آغوش میں آنے سے روک نہ سکے گی۔ یہ انقلاب رونما ہو کر رہے گا کہ ایک انگلستان ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے تمام ممالک مسلمانوں ہی سے آباد نظر آئیں گے۔ اور پورے کرۂ ارض پر اسلام ہی حکمران ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلے ہی اس بارہ میں نہایت زوردار الفاظ میں پیشگوئی فرما گئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اے تمام لوگو! سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلاوے گا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ

بخشے گا .... یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانۂ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ ابھی تک آسمان سے نہ اترا۔ تب سب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب (اسلام) ہوگا اور ایک ہی پیشوا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶۴-۶۵)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے وہ دن جلد لائے کہ جب اس ملک کی بظاہر سنگلاخ زمین اسلام کے حق میں زرخیز ثابت ہو، یہاں کے رہنے والوں کے دل حق کو قبول کرنے کے لئے کھل جائیں اور وہ اسلام کی عافیت بخش آغوش میں آ کر حقیقی امن و سلامتی سے ہمکنار ہوں۔ آمین

بارش کی طرح برسنے والے نشان!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا کے نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی نہیں جو سچا دل لے کر میرے پاس آوے؟ کیا ایک بھی نہیں؟ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زورآور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔" (ضمیمہ انجام آتھم)

دنیائے عیسائیت میں زلزلہ کا ایک اور شدید جھٹکا

امریکی پادری جیمز البرٹ پائک کی عیسائی عقائد پر تنقید

انیسویں صدی کے اواخر سے جب کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر عیسائیت کے زوال پذیر ہونے اور بالآخر اس کے نابود ہو جانے کی پیشگوئی فرمائی تھی خود دنیائے عیسائیت میں پے در پے ایسی تحریکیں اٹھتی چلی آ رہی ہیں جن کا مقصد مروجہ عیسائی عقائد کو مضحکہ خیز اور ناقابل قبول ثابت کر کے عیسائی عوام کو ان سے نجات دلانا ہے

اس بارہ میں سب سے پہلے آزاد خیال عیسائی مفکرین سائنسدانوں اور فلسفیوں نے مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف آواز اٹھائی اور ان عقائد کی بناء پر عیسائیت کو سراسر ناقابل عمل ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دوسری تحریک مغرب میں بود و باش رکھنے والے دہریوں کی طرف سے اٹھی انہوں نے بھی مروجہ عیسائی عقائد پر کڑی تنقید کر کے ان کا خوب ہی مذاق اڑایا۔ ایک عرصہ تک ان ہر دو تحریکوں کی طرف سے عیسائیت کے خلاف مسلسل لٹریچر شائع ہوتا رہا۔ مغربی کلیسا نے ان تحریکوں کو بے دینی اور لامذہبیت کے مختلف روپوں سے تعبیر کر کے انہیں درخور اعتناء نہ سمجھا اور کلیسا اپنی جگہ اس خیال میں مگن رہا کہ بالآخر وہ اس مخالفانہ رَو پر قابو پا لے گا۔ لیکن اس کا یہ خیال، خیالِ خام ثابت ہوا۔ اور مغرب میں یہ تحریکیں بدستور زور پکڑتی چلی گئیں اور کلیسا ٹُک ٹُک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق ان تحریکوں کو پھلتے پھولتے دیکھتا رہا اور آج بھی دیکھ رہا ہے۔

اِن تحریکوں کے زیرِ اثر مغرب کے عیسائی عوام کی عیسائیت سے روز افزوں بیزاری سے گھبرا کر اب خود وہاں کے کلیسا میں ایک خاصا با اثر اور طاقتور طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے جو اس بات کا مؤید ہے کہ عیسائیت کو ایک مذہب کی حیثیت سے زندہ رکھنے کے لئے یہ امر ناگزیر ہے کہ مروجہ عیسائی عقائد پر نظرِ ثانی کر کے ان میں سے پیچیدہ اور ناقابلِ فہم عقائد کو یا تو سرے سے ترک کر دینا چاہیئے یا ان کی ایسی توجیہہ کو اپنا لینا چاہیئے کہ جو موجودہ سائنسی دور میں لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ یہ طبقہ چھوٹے موٹے بے حیثیت عیسائی پادریوں پر ہی مشتمل نہیں بلکہ ان میں بڑے بڑے نامی گرامی بشپ اور ان سے بھی اونچے درجے کے پادری شامل ہیں۔ یہ نامی گرامی پادری ان ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں جن پر کلیسا کی عمارت قائم ہے۔ ان پادریوں کے خود عیسائی عقائد کے خلاف برملا آواز اٹھانے سے آج کل کلیسا کے اندر ایک زلزلہ آیا ہوا ہے جس کے جھٹکے دفعہ دفعہ سے محسوس ہو کر اس کو بنیادوں سے ہلا رہے ہیں اور نظر یہ آ رہا ہے کہ بالآخر کلیسا کی عمارت ان جھٹکوں کی تاب نہ لا کر زمین پر آ رہے گی۔

مغربی کلیسا میں اِس قسم کے زلزلہ کا پہلا جھٹکا اُس وقت محسوس ہوا جب کہ برطانیہ میں برمنگھم کے بشپ ارنسٹ ولیم بارنز (ERNEST WILLIAM BARNES) نے بشپ کے نہایت ممتاز عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود اِس صدی کے ربع اوّل میں مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے اپنے خطبات میں جو ملک میں بے حد مقبول ہوئے مروجہ عیسائی عقائد پر کڑی تنقید کی اور انہیں مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے ان کی ایسی توجیہات پیش کیں جن سے تثلیث، الوہیتِ مسیح، کفارہ وغیرہ عقائد کا اپنی موجودہ شکل میں باطل ثابت ہونا اظہر من الشمس ہوئے بغیر نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے بہت جرأت اور دلیری سے کام لیتے ہوئے صاف اس امر کا اعلان کیا کہ بائبل جس میں عہد نامہ جدید بھی شامل ہے ہرگز خدا کا الہام اور اس کا کلام نہیں ہے ورنہ اس میں خلافِ عقل اور متضاد باتیں نہ ہوتیں۔ اسی طرح وہ مسیح کی الوہیت کے بارے میں بھی قائل نہ تھے کہ وہ خدا ہے یا خدا کی خدائی میں شریک ہے وہ مسیح کو صحیح معنوں میں ایک انسان تصور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ الوہیتِ مسیح کا اس سے زیادہ اور کوئی مفہوم نہیں ہے کہ وہ تعلق باللہ میں انتہائی بلند مقام پر فائز ہے۔ اُس نے اس دنیا میں ایسی زندگی بسر کی جو خدائی صفات کی مظہر تھی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مسیح کو مافوق البشر سمجھنا اور اسے خدا کی خدائی میں شریک گردا ننا سراسر نادانی ہے جسے اس سائنسی دور میں کوئی بھی ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں وہ پہلے بشپ تھے جنہوں نے چرچ کو آنے والے طوفان سے بروقت خبردار کیا۔ انہوں نے اپنے ان

نظریات کا اظہار اپنی مشہور کتاب (SHOULD SHUCH A FAITH OFFEND) میں کیا ہے۔
(تفصیل کے لئے دیکھیں ماہنامہ انصار اللہ بابت جولائی ۱۹۶۳ء)

مغربی دنیا میں بشپ ارنسٹ ولیم بارنز کے نظریات چرچ کی شدید مخالفت کے باوجود اندر ہی اندر اثر کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۹۶۳ء میں دنیائے عیسائیت میں اس زلزلہ کا ایک اور شدید جھٹکا محسوس ہوا جس نے اسے جڑوں سے ہلا کر رکھ دیا۔ اس زلزلہ کا مرکز بھی خود عیسائیت کا گڑھ یعنی برطانیہ کا دار الحکومت لندن تھا۔ اور اس کا باعث بھی خود مروجہ عیسائی عقائد ہی تھے۔ اس زلزلہ کی نوعیت یہ تھی کہ وہاں کے کسی آزاد خیال محقق یا بے دین فلسفی اور سائنسدان نے نہیں بلکہ خود کلیسائے انگلستان کے نامی گرامی پادری ڈاکٹر جان رابنسن (DR. JOHN ROBINSON) نے جو وُول وِچ کے بشپ ہیں "HONEST TO GOD" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں انہوں نے بشپ کے نہایت ممتاز مذہبی عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود مروجہ عیسائی عقائد پر بھرپور وار کیا اور صاف لکھا کہ یہ عقائد آجکل کے سائنسی دور میں ہرگز قابلِ قبول نہیں ہیں۔ انہوں نے موقف یہ اختیار کیا کہ مروجہ عیسائیت کی بنیاد بعض مخصوص مذہبی اصطلاحات پر ہے جو خدا تعالیٰ سے متعلق جسمانی وجود کے ایک طفلانہ اور ناقابلِ فہم تصور سے عبارت ہیں۔ یہ اصطلاحات آج سے دو ہزار سال قبل ایک سراسر غیر سائنسی دور میں اُس وقت وضع کی گئی تھیں جب انسان دورِ طفولیت میں سے گزر رہا تھا۔ بعد ازاں ان اصطلاحات کو عجیب و غریب معانی و مفہوم کا حامل قرار دے کر مسیح کو خدا قرار دے دیا گیا اور اسے جسمِ انسانی کے ساتھ آسمان پر پہنچا کر خدا کے داہنے ہاتھ تخت پر بٹھا دیا گیا۔ خدا کی ذات کے متعلق یہ سارا تصور اس قدر بعید از قیاس، لغو، اور مضحکہ خیز ہے کہ خلائی پرواز کے موجودہ دور میں جب کہ عقلِ انسانی دورِ طفولیت سے گزر کر سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہے کوئی بھی معقول شخص اسے قبول نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ عیسائیت اس زمانہ میں تسخیرِ قلوب کی اہلیت کھو چکی ہے۔ لوگوں کا اس پر سے اعتقاد اٹھتا جا رہا ہے اور وہ دن بدن اس سے بیزار ہو کر دوسرے مذاہب اور معتقدات کی طرف متوجہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جب تک ہم پوری دیانتداری سے کام لے کر خدا کے متعلق ایسے مضحکہ خیز تصور کو خیرباد نہیں کہیں گے اُس وقت تک عیسائیت کے یکسر معدوم ہونے کا خطرہ دور نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر رابنسن کی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ برطانیہ کے طول و عرض میں تہلکہ مچ گیا۔ اخبارات میں اس کتاب کی تائید اور اس کے خلاف مضامین اور خطوط کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا

جس میں بڑے بڑے لاٹ پادری اور بشپ، یونیورسٹی پروفیسرز اور دیگر محققین سب نے ہی حصہ لیا اور ایک ایسی ہل چل مچی جو ذہنی و فکری اور اعتقادی و عملی لحاظ سے ایک زلزلۂ عظیمہ سے کسی طرح کم نہ تھی (تفصیل کے لئے دیکھیں ماہنامہ انصار اللہ بابت جون ۱۹۶۳ء)

مغرب کی عیسائی دنیا میں اس زلزلہ کا ابھی حال ہی میں ایک اور شدید جھٹکا محسوس کیا گیا ہے۔ اس جھٹکے نے بھی پورے کلیسا کو اس کی بنیادوں سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس دفعہ جھٹکے کا مرکز برطانیہ سے ہزاروں میل دور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تھا اب کے مروجہ عیسائی عقائد کو ہدفِ ملامت بنا کر چرچ کو لرزہ بر اندام کرنے کے سلسلہ میں قرعہ فال امریکہ کے نامی گرامی ۵۳ سالہ پادری جیمز البرٹ پائیک (JAMES ALBERT PIKE) کے نام پڑا۔ وہ چند ماہ قبل تک کیلیفورنیا کے ایپسکوپل بشپ تھے۔ مروجہ عیسائی عقائد پر ان کی برملا تنقید کا کلیسا میں ایسا شدید ردّعمل ظاہر ہوا کہ انہیں بالآخر بشپ کے عہدہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ چنانچہ اب وہ اس عہدہ سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ ان کی اس تنقید کا ماحصل یہ ہے کہ فی زمانہ عیسائیت ایک ایسے بحری جہاز کی حیثیت رکھتی ہے جس پر حد سے زیادہ سامان لدا ہوا ہو اور اس کے بوجھ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہا ہو۔ عیسائیت کے جہاز پر لدا ہوا حد سے زیادہ سامان اس کے وہ تمام غیر ضروری، پیچیدہ، ناقابل فہم، بعید از قیاس، اور دور از کار عقائد ہیں جن کو موجودہ سائنسی دور میں کوئی بھی باشعور آدمی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جس طرح حد سے زیادہ سامان کے بوجھ کے تلے ڈوبنے والے جہاز کو بچانے کی خاطر زائد سامان کو از خود سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح عیسائیت کو غرق ہونے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم تثلیث، الوہیتِ مسیح، پیدائشی گناہ، کفارہ وغیرہ عقائد کو جنہیں عقلِ سلیم رد کرتی ہے از خود دریا بُرد کر دیں۔ اور مسیح کے متعلق ایک ایسے سیدھے سادے، مختصر اور عام فہم عقیدہ کو اپنا لیں کہ جو موجودہ سائنسی دور کے ترقی یافتہ ذہنوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ بشپ پائک کا نعرہ یہ ہے کہ آج عیسائیت کو اپنی بقا کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے ——— "کم سے کم عقائد اور زیادہ سے زیادہ ایمان" وہ دینی عقائد میں اختصار اور سہولت پسندی کے علمبردار ہیں۔ ان کی طرف سے اُن کے اِن نظریات کی برملا اشاعت سے امریکہ ہی نہیں ساری مغربی دنیا میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی ہے۔ بعض بڑے بڑے پادری ان کی تائید میں بیانات دے رہے ہیں اور بعض ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں الغرض

پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ پڑا ہوا ہے۔

امریکہ کے مشہور ہفت روزہ رسالہ "ٹائم" کی ۱۱ر نومبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں بشپ پائک کے نظریات کے متعلق ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے۔ اس کے مطالعہ سے بشپ پائک کے نظریات اور اُن کے شدید ردِّ عمل کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بشپ پائک نے تثلیث، الوہیتِ مسیح، پیدائشی گناہ، صلیبی موت، کفارہ، مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے، آسمان پر جا براجمان ہونے اور دوبارہ آسمان سے نازل ہونے کے مروجہ عیسائی عقائد کو جس طرح ہدفِ ملامت بنایا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مضمون نگار رقم طراز ہے

"فی زمانہ عیسائیت کی صداقت پر سب سے بڑھ کر شبہ کرنے والا ایک بدعتی ترپن۵۳ سالہ جیمز البرٹ پائک ہے جس نے حال ہی میں کیلیفورنیا کے ایپیسکوپل بشپ کے عہدہ سے استعفا دے دیا ہے۔ عیسائیت کا شاید ہی کوئی ایسا عقیدہ ہوگا جس کا کسی نہ کسی وقت پائک نے انکار نہ کیا ہو۔ ایسا کرنے میں وہ امریکہ میں ایک نئی بحث کو ہوا دینے کا موجب بنا ہے۔"

(ٹائم ۱۱ر نومبر ۶۶ء صنہ۶)

اب رہا یہ سوال کہ بشپ پائک کے نزدیک عیسائیت کے مروجہ عقائد کو یکسر رد کر دینے کے بعد عیسائیت کی وہ کونسی شکل ہے جس پر پختہ ایمان رکھنا ضروری ہے؟ سو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے "ٹائم" ویکلی کے مضمون نگار نے آگے چل کر لکھا ہے:۔

"بشپ پائک کا مقصد ہرگز بھی دہریت کی راہ ہموار کرنا نہیں ہے۔ دینی عقائد میں اسلی اختصار پسندی کا مقصد عیسائیت پر ایمان کو یقینی اور مستحکم بنیاد پر استوار کرنا ہے۔ پائک کا کہنا یہ ہے کہ عیسائیت کو زندہ رہنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے ـــ "کم سے کم عقائد لیکن پختہ سے پختہ تر ایمان۔" اس چلتے ہوئے نعرہ کے نام پر پائک اس بات پر بالکل آمادہ نظر آتا ہے کہ گزشتہ بیس صدیوں میں عیسائی عقائد نے تعمیر و ترقی اور تغیر و تبدل کی جو منازل طے کی ہیں انہیں اسی طرح دریا برد کر دیا جائے جس طرح جہاز کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے اس پر لدا ہوا زائد مال و اسباب سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے اور جس چیز کو وہ چرچ کا اہم، بنیادی، اور ناقابلِ تخفیف پیغام سمجھتا ہے اسے باقی رہنے دیا جائے۔ اس کے نزدیک چرچ کا وہ اہم مرکزی اور ناقابلِ تخفیف پیغام یہ ہے کہ محبت کرنے والا خدا وہ بنیاد ہے جس پر

ہر چیز کی بقا کا انحصار ہے۔ اور مسیح اُس کا وہ دُکھ اٹھانے والا خادم ہے جو مظہرِ الوہیت کے طور پر دنیا میں آیا۔ اور اس کی ایثار و قربانی سے بھرپور زندگی ایک ایسی مثالی زندگی ہے جسے اپنا کر اور جس کے نقشِ قدم پر چل کر مسیح کی طرف منسوب ہونے والے ابدی زندگی کے وارث بن سکتے ہیں "

(ڈان ۱۱ر نومبر ۶۶ صلا)

اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ بشپ پائک مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ وہ صرف اور صرف اسے ایک انسان اور خدا کا بھیجا ہوا ایک رسول تسلیم کرتے ہیں اور اس حیثیت سے اس کی پیروی کو عیسائیوں کی نجات کا ذریعہ یقین کرتے ہیں۔ نہ وہ تثلیث کے قائل ہیں اور نہ مسیح کی الوہیت اور کفارہ کے۔ بحیثیت عیسائی وہ یہ اعتقاد رکھنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ انہیں ایسا کرنے میں انجیل کی پوری پوری تائید حاصل ہے۔ یہی تو انجیل یوحنا کی رو سے مسیح نے تعلیم دی تھی چنانچہ لکھا ہے کہ مسیح نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا:-

" ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے (یعنی جو تیرا رسول ہے) جانیں "

(یوحنا باب ۱۷ آیت ۳)

خود کلیسا کے ایک نامی گرامی پادری کا تثلیث اور الوہیت مسیح کے باطل عقائد کا انکار کر کے محض توحید باری تعالیٰ اور مسیح کی رسالت پر زور دینا اور اسی کو ایمان کی بنیاد قرار دینا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ عیسائیت کی وہ بگڑی ہوئی شکل جس نے مسیح کی طرف منسوب ہونے والے کروڑوں انسانوں کو خطرناک شرک میں مبتلا کر دیا تھا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئی کے بموجب اب اپنی موت آپ مر رہی ہے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خبر دی ہے وہ دن دور نہیں جب خدا کی سچّی توحید جسے بیابانوں میں رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں مغرب کی عیسائی اقوام میں زور شور سے پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا بلکہ خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔

یہ صحیح ہے کہ فی الوقت خود عیسائی پادریوں کی طرف سے مروجہ عیسائی عقائد پر تنقید کے نتیجے میں مغرب کے عیسائی ممالک میں بالعموم دہریت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور عوام اسلام کی طرف رجوع

کرنے کی بجائے دہریت کی مد میں بہے جا رہے ہیں۔لیکن عیسائیت کی ناکامی کے نتیجہ میں اس قسم کی صورتِ حال کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے کیونکہ جب کوئی آگ بھڑک اٹھتی ہے یا شدید زلزلہ آتا ہے تو اس کی وجہ سے پہلے عام تباہی پھیلتی ہے اور پھر تباہ شدہ علاقہ کو صاف کر کے از سرِ نو عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں۔عیسائیت کے تباہ ہونے اور دہریت کے پھیلنے کے بعد مغرب میں جو نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا وہ اسلامی تعلیم کے پھیلنے کی بدولت ہی تعمیر ہوگا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیت کے کالعدم ہونے کے متعلق جو پیشگوئیاں فرمائی ہیں ان میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اس گھر کو گھر کے چراغ سے ہی آگ لگے گی۔جس طرح آگ کے بھڑک اٹھنے سے سب کچھ جل کر خاکستر ہو جاتا ہے اسیطرح عیسائیت کی تباہی بھی مقدر ہے۔پہلے عیسائیت تباہ ہوگی اور پھر اسلام کے پھیلنے اور غالب آنے کی راہ ہموار ہوگی۔چنانچہ حضور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اب عیسویت سے دست بردار ی دنیا میں شروع ہو گئی ہے اور اس مذہب کو جلا دینے والی آگ بھڑک اٹھی ہے۔آگ کا دستور ہے کہ وہ اوّل ذراسی شروع ہو کر پھر آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔یہی حال اب عیسائیت کا ہوگا۔"

(ملفوظات جلد ۷ ص۲۹۵)

نیز حضور علیہ السلام عیسائیت کی تباہی سے متعلق اس خدائی تقدیر اور اس کے نتیجہ میں وہاں بالآخر اسلام کے غالب آنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اب وقت آگیا ہے کہ اس مذہب (یعنی عیسائیت) کی حقیقت دنیا پر کھل جاوے شیطان کی آدم کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے۔ملائکۃ اللہ آدم کے ساتھ ہیں اور اب شیطان ہمیشہ کے لئے ہلاک کر دیا جائیگا۔میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے اس مُردہ پرستی کے دُور کرنے کے لئے کوئی تحریک نہ بھی ہوتی اور خدا تعالیٰ مجھے بھی نہ بھیجتا تب بھی اس مذہب کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ یہ خود بخود نمک کی طرح پگھل جاتا۔میں خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرتیں کو دیکھ رہا ہوں جو وہ اسلام کے لئے ظاہر کر رہا ہے۔اور میں اس نظارہ کو بھی دیکھ رہا ہوں جو موت کا اس صلیبی مذہب کو آنے کو ہے۔اس مذہب کی بنیاد ایک لعنتی لکڑی پر ہے جس کو دیمک کھا چکی ہے۔۔۔۔اس عمارت کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔"

(ملفوظات جلد ہشتم)

اس سے ظاہر ہے کہ مغرب میں اسلام کے غالب آنے کے لئے مقدر ہے کہ پہلے عیسائیت

خود اس کے خلاف آگ بھڑک اٹھنے کے نتیجہ میں تباہ ہوگی۔ اس کے بعد وہ مرحلہ آئے گا کہ مغربی اقوام یکدم اسلام کی طرف رجوع کریں گی۔ وہ مردہ پرستی کی طرف دوبارہ نہیں جائیں گی۔ وہ پھر اسلام کی آغوش میں ہی آکر امن و سکون سے ہمکنار ہوں گی چنانچہ اس مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" اب وقت آتا ہے کہ یک دم یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوگی اور وہ اس مُردہ پرستی کے مذہب سے بیزار ہو کر حقیقی مذہب اسلام کو اپنی نجات کا ذریعہ یقین کریں گے "

(ملفوظات جلد ہشتم)

الغرض مغرب میں رونما ہونے والے انقلاب کا یہ مرحلہ کہ وہاں عیسائیت اپنی موت آپ مر رہی ہے اور خود وہاں کے عیسائی پادری عیسائی عقائد کو ہدف ملامت بنانے کے بعد انہیں ترک کرتے جا رہے ہیں غلبہ اسلام کی آسمانی سکیم کا ایک ضروری حصہ ہے۔ عیسائیت کے اس عبرت ناک انجام کے نتیجہ میں اگر وہاں وقتی طور پر دہریت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے تو یہ محض ایک عارضی صورتِ حال ہے۔ اس کے بعد مغربی قومیں یکدم اسلام کی طرف رجوع کریں گی اور اس شدومد کے ساتھ رجوع کریں گی کہ داخل ہونے والے ٹڈی دل کی طرح اس میں داخل ہو جائیں گے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہو گا اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرتی طور سے دروازے بند ہیں۔ اور جو نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے یہ خدائی تقدیر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ ایسا ہو گا اور ہو کر رہے گا۔ کون ہے جو اس کی مشیت کے خلاف دم مارے

(مسعود احمد دہلوی)

اِک بڑی مدّت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دِن

(المسیح الموعودؑ)

خدا لاکھوں آدمیوں کو کھینچے لئے آتا ھے

اس کے کلمات بڑی صفائی سے پورے ھو رھے ھیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ھیں :-

''یہ محض اللہ تعالی کی مہربانی ھے کہ ھزارھا بلکہ لاکھوں آدمیوں کو کھینچے لئے آتا ھے ۔ یہاں کسی بناوٹ کی کوئی ضرورت نہیں ۔ چوبیس برس سے زیادہ ھوتے ھیں کہ خدا تعالی نے مجھے الہام کیا تھا کہ ینصرك رجال نوحی الیھم من السماء ۔ یاتیك من كل فج عمیق ۔ یاتون من كل فج عمیق ۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس ۔ یعنی ھم لوگوں کے دلوں میں وحی کر دیں گے ۔ اور وہ تیری مدد کریں گے ۔ بڑے بڑے دور دراز راھوں سے تیرے پاس لوگ آئیں گے ۔ تم خلق کے ھجوم سے جو تیرے گرد جمع ھوگی تنگ مت آنا اور لوگوں سے تھکنا مت ۔ یہ ایسے وقت کی باتیں ھیں جب میں بالکل گمنام تھا اور کوئی آدمی میرے ساتھ نہ تھا ۔ میرے گاؤں سے باھر کوئی بھی مجھے جانتا نہ تھا ۔ اور کوئی انسان اس بات پر یقین نہیں لاسکتا کہ ایسی کشش لوگوں کو ھوگی کہ وہ قادیان جیسی گمنام بستی میں دور دراز سے کھینچے چلے آئیں گے ۔ سو ھم دیکھ رھے ھیں کہ خدا تعالی کے کلمات کس طرح صفائی سے پورے ھو رھے ھیں ۔ ایسے ایسے علاقوں سے لوگ آتے ھیں کہ جہاں ھمارے وھم و گمان میں بھی ھماری تبلیغ کا نام و نشان نہیں ھوتا ۔ اور اس عقیدت اور اخلاص سے آتے ھیں کہ ھم کو ان کے اخلاص و عقیدت پر رشک آتا ھے ،،

(البدر یکم جولائی ۱۹۰۴ء ـــ ملفوظات جلد ھفتم صفحہ ۵۰)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ۔